بحضورِ اقبالؒ

شعرائے کرام کا نذرانۂ عقیدت

مصباح الحق صدیقی
تسنیم کوثر گیلانی

بحضور اقبال

(شعراء کرام کا نذرانہ عقیدت)

مرتبین

مصباح الحق صدیقی

و

تسنیم کوثر گیلانی

شعاع پبلشرز

جان محمد روڈ۔ انار کلی۔ لاہور

ضابطہ

حقوق ——— بحق ناشر محفوظ

طبع ——— اول

تعداد ——— ۵۰۰

ناشر ——— شہزاد پبلشرز

مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

اشاعت ——— جون ۱۹۷۷ء

قیمت ——— ۲۵/- روپے

ملنے کا پتہ

یونیورسل بکس

ذوالقرنین چیمبرز۔ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

	مرتبین	عرضِ احوال	۹
	پروفیسر مرزا محمد منوّر	پیش لفظ	۱۱
۱	عبدالوہاب عزام (مصر)	عربی یہدی لروضل زھرا	۱۵
۲	آرزو اکبر آبادی	چرخ ملت کا درخشندہ ستارا اقبالؒ	۱۶
۳	آغا صادق	منزل کی طرف راہنما ہے تری آواز	۱۸
۴	احسان دانش	وہ چشمہ جو اُترا تھا کوہساروں سے	۱۹
۵	احسن مارہروی	اے ادیبِ خوش بیاں اے شاعرِ شیریں زباں	۲۱
۶	اسد ملتانی	قول یہ اقبالؒ کا تھا "شاعرِ فردا ہوں میں"	۲۳
۷	اشرف عطا	وہ کہ جس کے دم سے تھیں بزمِ خودی کی رونقیں	۲۴
۸	غلام رسول اذہر	روحِ اقبال سے پھر پوچھتے ہیں اہلِ جنوں	۲۵
۹	اکبر حمیدی	تیری نواؤں نے بخشا دلوں کو سوزِ یقیں	۲۶
۱۰	اکبر کاظمی	ترے مذاقِ خودی سے ہوئی خرد سرشار	۲۷

۱۱	اکبر کاظمی	وطن پہ چار سو افسردگی سی طاری تھی	۲۸
۱۲	بختیار علی ایڈووکیٹ	حقیقت میں خودی شانِ قلندر	۳۰
۱۳	بشیر فاروق	آج اس زندۂ جاوید کا ہے یوم عظیم	۳۱
۱۴	رانا بھگوان داس بھگوان	قوم کے اقبال تری شاعری الہام ہے	۳۲
۱۵	ملک الشعراء بہار (ایران)	بیدے گرفت اقبالے رسید	۳۳
۱۶	ڈاکٹر تاثیر	عقل کے پیچ و تاب میں غرق سفینۂ حیات	۳۴
۱۷	ابن حزین سیالکوٹی	اے کہ عشق خفتہ یثرب	۳۵
۱۸	حفیظ تائب	نازش عالم اسلام حکیم الامّت	۳۶
۱۹	حفیظ تائب	تو سینۂ مشرق کی صدا شاعر مشرق	۳۷
۲۰	ڈاکٹر تبسم رضوانی	ترے دیار میں جو رنج و درد سہتے ہیں	۳۹
۲۱	تسنیم کوثر گیلانی	میدان عمل میں کوئی آغاز نیا تھا	۴۰
۲۲	عبدالکریم ثمر	اُبھر رہا ہے زمانے میں عظمتوں کا کمال	۴۲
۲۳	شیر افضل جعفری	فکر منظوم کو اسلام کا عنوان کیا	۴۳
۲۴	شیر افضل جعفری	سلگتی شاخ کو حسنِ ثمر دیا تو نے	۴۴
۲۵	جمیل ملک	وطن کے شاعرِ بیباک، گلفشاں مطرب	۴۵
۲۶	حافظ لدھیانوی	وہ اک پھول تھا جس کی لطیف خوشبو سے	۴۶
۲۷	حفیظ ہوشیار پوری	وہ خلوت اور جلوت میں ہجوم شوق کا عالم	۴۸
۲۸	حفیظ ہوشیار پوری	عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات	۴۹
۲۹	عبدالعزیز خالد	اے خودی کے شاعر والا صفات	۵۱

۳۰	خالد بزمی	جبین پر متانت سے اجاگر اس کی عظمت تھی	۵۳
۳۱	خاور لدھیانوی	ایک موج تند جولاں ناشکیب و ناصبور	۵۵
۳۲	محی الدین خلوت	اے حکیم امت ما شاعرِ فطرت شناس	۵۷
۳۳	محی الدین خلوت	ارضِ پاکستان تیرے خواب کی تعبیر ہے	۵۸
۳۴	حافظ مظہر الدین	رفت از ما مسند آرائے علوم	۵۹
۳۵	راحت سرحدی	اے سرِ اقبال رہنمائے حیات	۶۰
۳۶	راغب مراد آبادی	بزمِ سخن پیکر ترا	۶۱
۳۷	رفعت سلطان	محرمِ معنیٔ کتاب جلیل	۶۲
۳۸	رئیس امروہوی	جلوۂ گل سرِ دیوار خزاں ہیں ہم لوگ	۶۴
۳۹	زاہد الحسن زاہد	حضرتِ اقبالؒ ! اے اقبالمند	۶۶
۴۰	زیبا درانی	ہوا اہلِ دہر میں تجھ سا کب کوئی فلسفے کا مزاج داں	۶۸
۴۱	سلیم فاروقی	شاعرِ بے مثال تھا اقبالؒ	۶۹
۴۲	سلیم ہاشمی	خاکِ پاکستان کو بخشی روشنی اقبال نے	۷۱
۴۳	سیف الدین سیف	کسے معلوم تھا یہ دن بھی ہیں آنے والے	۷۲
۴۴	سیف الدین سیف	دیکھ اے مرد قلندر اپنی ملت کا مآل	۷۳
۴۵	شرقی بن شائق	فطرت کی موج جب بھی کرم آزما ہوئی	۷۵
۴۶	شرقی بن شائق	چراغ دل کو جلایا ہے زندگی کے لئے	۷۶
۴۷	شریف کنجاہی	دھوم ہے چار طرف آج ہے یوم اقبالؒ	۷۸
۴۸	شورش کاشمیری	یہ راز تیری نواؤں سے آشکارا ہے	۸۰

۴۹	شورش کاشمیری	اب جو شمشیر ہی ٹھہری ہے تو شمشیر سہی !	۸۱
۵۰	شگفتہ صبا جعفری	قوم کا اقبال وہ مردِ قلندر باصفا	۸۲
۵۱	سید عبداللہ جعفری صغیر	اقبال کی آواز میں جبرئیل نغمہ بار تھا	۸۳
۵۲	سید لیاقت صہبائی	مایوسیاں تھیں دل کے بیاباں میں خیمہ زن	۸۴
۵۳	سید لیاقت صہبائی	محصور تھی حیات حریم فرنگ میں	۸۶
۵۴	ضیاء الحسن ضیاء	اے نقیبِ ارتقاء، اے محرمِ رازِ حیات	۸۸
۵۵	عبدالصبور طارق	تری ہستی سے ہوا بیدار ملت کا لہو	۸۹
۵۶	طالب حجازی	جو سوزِ عشق کا دل میں مقام ہو جائے	۹۱
۵۷	طالب حیدری	اے دیارِ حضرتِ اقبال شمعِ انقلاب	۹۲
۵۸	طاہر تونسوی	مجھے خبر ہے — یہ میرے وجدان نے کہا ہے	۹۳
۵۹	مولانا ظفر علی خان	گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا	۹۵
۶۰	سید انوار ظہوری	اُس کے لب حجاز پہ تھیں، ہوش کی باتیں	۹۶
۶۱	سید عاشق علی	مثیلِ اقبال کا اب تک یہاں نایاب ہے ساقی	۹۷
۶۲	عاطر ہاشمی	تجھ کو معلوم ہے گو ملتِ بیضا کا چلن	۹۸
۶۳	منظور احسن عباسی	اقبالؒ نہ شاعر نہ واعظ تھا نہ فن کار	۱۰۰
۶۴	علیل عیسیٰ خیلوی	مشعلِ فکر کچھ اس طرح جلائی تو نے	۱۰۱
۶۵	غافل کرنالی	ترے کلام نے بخشی ہے، اے حکیم جنوں	۱۰۲
۶۶	غافل کرنالی	کرکے تزئینِ مہ و سالِ بیادِ اقبالؒ	۱۰۳
۶۷	فارغ بُخاری	ایک گھمبیر سیہ رات مسلط تھی یہاں	۱۰۴

۶۸	عبدالعزیز فطرت	اقبالؒ پیامی بھی ہے پیغام بھی اقبالؒ	۱۰۵
۶۹	فیض احمد فیض	آیا ہمارے دیس میں اک خوش نوا فقیر	۱۰۶
۷۰	قاسم نوری	تاریکیاں تھیں معبدِ فکر و خیال میں	۱۰۷
۷۱	قتیل شفائی	رقص گاہوں سے مزاروں تک ہے تو ہی جلوہ گر	۱۰۹
۷۲	قتیل شفائی	حلقۂ اصنام سے لے کر مہِ دو نیم تک	۱۱۰
۷۳	ڈاکٹر قمرالحق قمر کیرانوی	شاعرِ عہدِ نوی تو، تیرا پیغام نیا	۱۱۱
۷۴	قیوم نظر	ترے تخیل کی آبیاری میں اور اک سال کٹ گیا ہے	۱۱۲
۷۵	کبیر انور جعفری	غمناک یتیموں کی دعا ہے تری آواز	۱۱۳
۷۶	کلیم عثمانی	یوم اقبال کی تقریب منانے والو	۱۱۵
۷۷	مرزا فیض کوثر	جلوہ افروز ہے عالم میں ضیائے اقبالؒ	۱۱۷
۷۸	گفتار خیالی	عظیم شاعر! عظیم شاعر	۱۱۸
۷۹	ماہر القادری	کارواں خواب میں تھا "بانگِ درا" سے پہلے	۱۲۰
۸۰	تلوک چند محروم	کم تر ہے حکیم ہند اگر تجھ کو کہوں	۱۲۱
۸۱	محمد سبطین شاہجہانی	کمہلا گئے تھے پھول خزاؤں کی دھوپ میں	۱۲۲
۸۲	محمود قریشی	لرزتا ہے فلک اور گونج باقی ہے فضاؤں میں	۱۲۳
۸۳	مصباح الحق صدیقی	کہ تجھ سے قوم کی بگڑی بنی ہے	۱۲۴
۸۴	منظور حسین منظور	تیری نوا سے ملا سوزِ زندگی کا سراغ	۱۲۶
۸۵	منظور حسین منظور	ترا خیال اوجِ ثریا سے ہمکنار	۱۲۷
۸۶	پروفیسر مرزا محمد منور	میرے ہیں ایک دوست بظاہر بڑے خلیق	۱۲۸

٨٧	ابوظفر نازش رضوی	شہیدِ جلوۂ عرفاں تھا شاعرِ مشرق	١٣٠
٨٨	ناصر زیدی	وہ اک مردِ قلندر وہ فلسفی شاعر	١٣١
٨٩	احمد ندیم قاسمی	تقاضۂ ارتقاء تو یہ ہے۔ سدا بدلتا رہے زمانہ	١٣٢
٩٠	احمد ندیم قاسمی	جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں ترے فن کی زباں	١٣٣
٩١	نسیم سید	کون سی شے مرے اقبالؒ تری نذر کروں	١٣٥
٩٢	واصف علی واصف	السلام اے ملتِ اسلامیہ کے جاں نثار	١٣٦
٩٣	اکرام الحق وفا	آہ وہ اقبالؒ وہ آگاہِ اسرارِ حیات	١٣٧
٩٤	یٰسین قدرت	دل کے خورشید نے ضیا پائی	١٣٨
٩٥	یوسف ظفر	تری خودی کے تصور میں کائناتِ وجود	١٤٠

عرضِ احوال

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رح کا شمار برِ صغیر پاک و ہند کی اُن ہستیوں میں ہوتا ہے جن کو تا قیامت خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا رہے گا۔ حکیمِ مشرق رح شاعرِ پاکستان کی آواز، اُن کا پیغام، اُن کی شاعری اور اُن کا کلام انقلابی اور عالمگیر ہے۔ خصوصاً برِ صغیر کے مسلمانوں کی فکری، روحانی اور سیاسی تاریخ میں آپ کی شاعری نے بڑی حد تک فیصلہ کُن کردار ادا کیا ہے۔ اِس آتش نفس شاعر نے مسلمانوں کے لئے وہ عظیم، قابلِ قدر اور بلند پایہ پیغام چھوڑا ہے جو زندگی کی شاہراہ پر ہمیشہ چمکنے والا نورِ حقیقت ہے قاضی عبدالغفار صاحب پیامِ اقبال پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"کوئی تشبیہہ، کوئی استعارہ، کوئی کنایہ باقی نہیں جس کے اندر اقبال نے اپنا پیغام نہ رکھ دیا ہو پھول کی پنکھڑی میں، ہیرے کے جگر میں، دریا کی موجوں، اور سمندر کی لہروں میں، صحرا کے بگولوں میں.

پہاڑوں کی بلندیوں میں، چشموں کے شور میں، چاند کی تابانی میں، سُورج کی چمک میں، مے خانہ کے خُم میں، ساقی کے ساغر میں، مغنی کے ساز میں، ساز کے ہر تار میں غرضیکہ ساری شاعری میں ایک پیغام ہے۔"

اقبالیات ایک ایسا وسیع مضمون ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر طوالت کے پیشِ نظر صرف اِن سطور پہ اکتفا کیا جا رہا ہے۔ حضرت علامہؒ کو وقتاً فوقتاً شعرائے کرام کی طرف سے جو نذرانۂ عقیدت پیش کیا جاتا رہا ہے، مرتبین نے ان کے جشن صد سالہ کے سلسلہ میں اس کو کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

مرتبین کی یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہے یہ قارئین کرام کی پسند پر منحصر ہے۔

گستاخی ہو گی اگر ان شعرائے کرام کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جن کا قیمتی کلام اس مجموعہ میں ان کی پیشگی اجازت کے بغیر شامل کیا گیا ہے مرتبین کے لئے بھی خوشی کا مقام ہے کہ وہ شعرائے کرام کی طرف سے یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں کیونکہ اُن کی تخلیقات کو ہمیشہ کے لئے کتابی شکل میں محفوظ کر لیا گیا ہے ورنہ اندیشہ تھا کہ دوسری صورت میں یہ قیمتی سرمایہ تلف ہو جاتا۔

لاہور

مرتبین

مصباح الحق صدیقی

تسنیم کوثر گیلانی

مقدمہ

جناب مصباح الحق صدیقی اور کوثر گیلانی نے حضرت علاّمہ اقبال پر لکھی جانے والی نظمیں مرتب کی ہیں۔ خدا ان کی کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے شعرا حضرات نے اپنے انداز میں بحضور علاّمہ خراج عقیدت پیش کیا، کتاب ہذا کے ہر دو مرتبین نے اپنے لئے یہ انداز اختیار کرلیا کہ علاّمہ کی خاطر خراج جمع کرنے کی مشقت اٹھائی۔

شعرا حضرات میں جناب ملک الشعراء بہار، عبدالوہاب عزّام، مولانا ظفر علی خاں، اسد ملتانی، احسن مارہروی، حفیظ ہوشیار پوری، ڈاکٹر تاثیر، احسان دانش، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، یوسف ظفر، آغا صادق اور قیوم نظر کے علاوہ بھی کوئی پچھتّر اسّی دیگر احباب بھی شامل ہیں۔

جیسا کہ حضرت ملک الشعرائے بہار نے فرمایا ہے یہ دَور حضرت علاّمہ اقبال کا دَور ہے۔ اور انہوں نے اُردو اور فارسی شاعری کو بے حد متاثر کیا ہے۔ یہ بات بے خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ کم از کم عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں کوئی اور ایک بھی ایسا شخص نہیں گزرا جس نے اکیلے اتنا فوری

اور بھرپور انقلابی اثر چھوڑا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرتِ علامہ کی توجہ کا میدانِ عمل محض شعر و شاعری تک محدود نہ تھا۔ بہت سے قومی اور ملّی امور میں انہوں نے دلچسپی لی اور حسبِ مقدور کاوش صرف کی ــــ بلکہ جس شعبے میں بھی کام کیا وہاں انہیں رہبر اور زعیم کی حیثیت حاصل ہوئی ــــ تاہم میدانِ شعر و سخن اور فلسفۂ فکر کے بعد جس میدان کو انہوں نے عملاً سب سے زیادہ متاثر کیا وہ میدانِ سیاست تھا ــــ اور اس امر کا سب سے بڑا ثبوت وہ کلماتِ تحسین ہیں جو حضرتِ قائدِ اعظم نے ان کے بارے میں ان کی وفات کے بعد مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے۔ پاکستان کے خالق حضرت قائدِ اعظم اور علامہ اقبال ہی تو ہیں اور حق یہ ہے کہ انہی کے نظریات جو اسلام کے آفتابِ ہدایت سے مستنیر تھے۔ اب بھی ہمارے لئے چراغِ راہ ہیں اور اگر اہلِ پاکستان ان کی راہبری میں چلتے ہیں تو ایک با استقلال مسلمان قوم کی حیثیت سے انہیں گمراہ ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔

مرادِ خضر عناں گیر باید از چپ و راست
کہ تا غلط نہ روم ورنہ "عزم" راہ خطاست

ایک بات جو ان نظموں کو دیکھنے سے واضح ہوتی ہے یہ ہے کہ اکثر شعرائ نے واقعی بخلوصِ خاطر حضرت علامہ کی برتری اور عظمت کے حضور سرِ تسلیم خم کیا ہے۔ ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے۔ دعا کی ہے اور دعا کے طالب ہوئے ہیں، نیز اس بات کے متمنّی ہیں کہ کاش ہمارے احوال اور کوائف ویسے ہی ہوتے جیسے حضرت علامہ چاہتے تھے۔ ہاں ایک مختصر سی تعداد اُن شعرا کی بھی ہے جو حضرت علامہ کی آڑ میں "مطلب سعدی دیگر است" کا کھیل بھی کھیلتے ہیں۔ تاہم یہ بات

خود اپنی جگہ بہر طور حقیقت ہے کہ عربی اور اردو کے اور شاید فارسی کے بھی کسی شاعرِ بزرگ کو اس کی زندگی میں اور وفات کے بعد اس قدر زیادہ شعراء نے اور اتنے خلوص و ادب کے ساتھ یاد نہیں کیا۔

مرتبین کی زیادہ تر کوشش پاکستان بن جانے کے بعد طبع ہونے والی نظموں پر مرکوز رہی ہے۔ تقسیم برِ عظیم سے قبل حضرت علامہ کی زندگی میں اور پھر ان کی وفات کے بعد دکن، یوپی اور دہلی وغیرہ مقامات پر اس ضمن میں کیا کچھ شائع ہوا وہ کم تر پیشِ نظر رہا ہے۔ اور اس کا سبب شاید یہ ہو کہ اُس باب میں بعض دیگر اصحاب سرگرمِ کار ہیں۔ تاہم جس قدر نظمیں اس مجموعے کی زینت میں ان کا یکجا ہو جانا بھی بڑی بات ہے اور لائقِ داد ہے۔ حق یہ ہے کہ بعض ایسے شعراء کی نظمیں جو عام معنوں میں صاحبِ عرف شاعر نہیں ہیں کئی معروف حضرات کی نظموں سے زیادہ دلکش اور دلنشین ہیں اہلِ نظر خود ملاحظہ فرمائیں گے۔ میں کوئی خصوصی اشارہ نہ کروں گا کیونکہ اگر کسی ایک قسم کے مشارٌ الیہ کی حوصلہ افزائی ہوگی تو دوسرے کی دل شکنی عمل میں آئے گی۔ اور پھر یہ دوسری بات "خوفِ فسادِ خلق" کا بھی تو ایک شعبہ ہے لہٰذا

ع سرِ ایں شیشہ فرو بندہ کہ بادے نخورد

(پروفیسر) محمد منوّر
گورنمنٹ کالج۔ لاہور

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (مصر)

خراجِ عقیدت

عربی یھدی لروضۃ زہرا
ذا فخار بروضۃ و اعتزاز
کلمات تضمنت کل معنی
من دیار الاسلام فی ایجاز
بلسان القرآن خطت ففیھا
نفحات التنزیل والاعجاز
فاقبلنھا، علی ضآلۃ قدری
فھی فی الحق ارمغان الحجاز

ماہ نو۔ ۲۲ اپریل ۱۹۶۹ء

آرزو اکبر آبادی

علامہ اقبالؒ

اس نظم کو لکھنے کی تحریک ایک مضمون سے ہوئی جسے مولانائے محترم جناب عبداللہ قریشی صاحب نے قلمبند فرمایا ہے۔ آرزو

چرخِ ملّت کا درخشندہ ستارا اقبالؒ
بحرِ مستقبلِ رنگیں کا کنارا اقبالؒ

اُس کی ہر نظم کہ ہے ضامنِ تعمیرِ وطن! اس کے افکار میں ہے جنّتِ محسوس نہاں
اس کے احساس کی تنویر میں گم ہے وہ سوز جس کا سرمایہ ہے ملّت کے لئے برقِ تپاں
اس کی تقلید ہے ہم سب کے لئے شمعِ عمل اس کے انداز کا مدّاح ہے ہر پیر و جواں
اس نے الفاظ میں بھر دی تھی تجلّی دل کی اس کے نغمات میں ہے رُوحِ عمل سوزِ اذاں

ڈگمگاتی ہوئی کشتی کا سہارا اقبالؒ
بحرِ مستقبلِ رنگیں کا کنارا اقبالؒ

اس کو نبّاضِ جہاں کہیئے مسیحا کہیئے وہ قلندر تھا مگر شاہوں سے ممتاز بھی تھا
گردشِ شام و سحر پہ تھیں نگاہیں اُس کی وقت کے ساتھ بھی تھا وقت کی آواز بھی تھا
درسِ افغانی و حالی کا سنایا اس نے تھا تہِ دام پر آمادۂ پرواز بھی تھا
ایسا جلوہ تھا کہ ہر قلب ہے جس سے زرتاب جس کی تفسیر نہ ہو ایسا وہ اِک راز بھی تھا

ہم بڑے فخر سے کہتے ہیں ہمارا اقبالؒ
بحرِ مستقبلِ رنگیں کا کنارا اقبالؒ

مغربی ساز شکستہ ہوا جس کے دم سے! جس نے کھولا تھا فرنگی کی سیاست کا بھرم
جس کی آواز نے افرنگ کے بُت توڑے تھے گونج سے جس کی دہلتے تھے کلیساؤں کے بھرم
وسطِ اسپین میں پہنچا وہ کچھ اس شان کے ساتھ جیسے فاراں کی حدوں سے ہو کوئی بات رقم
اس نے نطشے کو بتایا تھا خدائی کا وہ راز جس کا ادنیٰ سا تصوّر بھی ہے بھاری بھرکم

کفر کی بزم کے سر پر تھا اک "آرا" اقبالؒ
بحرِ مستقبلِ رنگیں کا کنارا اقبالؒ

"کانٹ" کی نقدِ گراں بار لٹی جس کے سبب "برگساں" پہنے ہوئے جس سے ہے طوق و زنجیر
اس نے "ہیگل" کو بڑی شان سے للکارا تھا اس کی آواز میں پنہاں تھا جلالِ تکبیر
قلبِ "ڈے کارٹ" پہ ہے نقش حقیقت اسکی "اسپنوزا" کے لئے وہ کہ تھا چلتی شمشیر
"ہالبس اور لاک" تھے یوں لرزہ براندامِ عمل جیسے توحید کے حلقوں میں ہوں اہلِ تکفیر

قائدؒ و قادرؒ و آرنلڈ کا پیارا اقبالؒ
بحرِ مستقبلِ رنگیں کا کنارا اقبالؒ

نطشے۔ کانٹ۔ برگساں۔ ہیگل۔ ڈے کارٹ۔ اسپنوزا۔ ہالبس۔ لاک۔ مغربی مفکّرین ہیں جنہیں حضرت علامہ اقبالؒ نے سمجھا اور جواب دیا۔ آرزو

آغا صادق

اقبال کی آواز

منزل کی طرف راہنما ہے تری آواز
لاریب کہ اک بانگِ درا ہے تری آواز

گونجی ہے اذانوں کی طرح ارض و سما میں
مانندِ سحر خواب رُبا ہے تری آواز

اک پردۂ اسرارِ حقیقت ہے ترا ساز
اک نغمۂ خاصانِ خُدا ہے تری آواز

انسان کی تقدیس کا آئینہ ترا دِل
انسان کی تقدیر نُما ہے تری آواز

مِلّت کا دھڑکتا ہوا دل ہیں ترے نغمے
ایمان کے چہرے کی ضیا ہے تری آواز

اسلام کی بھولی ہوئی تاریخ تری لے
توحید کی گم گشتہ فضا ہے تری آواز

قندیلِ محبّت کی شعاعیں ترے اشعار
ایوانِ اخوّت کی بِنا ہے تری آواز

اُلجھے ہوئے حالات کو حل جس نے کیا ہے
اس دَور میں وہ عقدہ کشا ہے تری آواز

پہنچے ہیں تری بات کی تہہ تک ابھی کم لوگ
دنیا ابھی سمجھی نہیں کیا ہے تری آواز

احسان دانش

اقبال

وہ ایک غنچہ جو اُترا تھا کوہساروں سے
وہ اِک شرار جو چھوٹا تھا سنگپاروں سے

وہ اِک دِیا جو جلا شب نما سویروں میں
وہ اِک کرن جو ہنسی منجمد اندھیروں میں

وہ اِک ستارا جو ظلمت میں مُسکرا کے چھپا
وہ ایک چاند جو دریا کا دل بڑھا کے چھپا

وہ ایک کوندا جو لپکا لپک کے بیٹھ گیا
وہ اِک شرر جو دھوئیں میں چمک کے بیٹھ گیا

وہ اک شہاب جو گردوں سے ٹُوٹ کر نہ پھرا
وہ تیر قوسِ قزح سے جو چھُوٹ کر نہ پھرا

وہ ناخدا جسے ساحل کا رنج مار گیا
جو ڈوب کر بھی سفینے کو پار اُتار گیا

وہ زمزمہ لبِ راوی پہ جو تمام ہوا
وہ اِک جنوں کہ جو یزداں سے ہمکلام ہوا

وہ ایک صاحبِ منزل جو کارواں میں نہیں
وہ اِک لطافتِ عنواں جو داستاں میں نہیں

وہ باغباں جسے مار ہے لالہ و گُل نے
سکوتِ سرو سمن نے ، فُغانِ بُلبُل نے

وہ رند جب سے خراباتِ زندگی میں نہیں
خودی کا ذکر کہیں شہرِ بیخودی میں نہیں

احسن مارہروی (مرحوم)

نذرِ اقبالؒ

اے ادیبِ خوش بیاں اے شاعرِ شیریں زباں — تیرے سوز و ساز سے معمور ہے سارا جہاں

تیری میٹھی بات ہے ایراں کی شاخِ نبات — طوطیٔ شیراز جس کی مدح میں رطب اللساں

عودِ ہندی بن کے پھیلی تیرے نغموں کی صدا — تو ہے شاگردِ رشیدِ بلبلِ ہندوستاں

معرفت کا فلسفہ سیکھا ہے پیرِ رومؒ سے — اور فصیح الملک سے پایا فصاحت کا نشاں

ساحری ہے شاعری تیری کہ ہے پیغمبری — ہے طلسمِ معنوی میں جس کے اعجازِ بیاں

تیری تصنیفات ہیں آئینہ بردارِ کمال — جن سے جوہر تیرے مثلِ روزِ روشن ہیں عیاں

کر دیا وہ راز اسرارِ خودی نے منکشف — نفس کی عزت بڑھی جس سے بنا دل نکتہ داں

ہیں رموزِ بے خودی میں وہ کنائے دُر شگاف — غفلتوں نے کر دیا تھا جن کو پردے میں نہاں

ہے زبورِ فارسی تشریحِ اسرار و رموز — جس نے کھولی ہیں سراسر معرفت کی گتھیاں

کی عطا جاوید نامے نے حیاتِ سرمدی — سلسلہ جس کا زمیں سے چل کے ہے تا آسماں

ہے پیامِ مشرق ایسا کارنامہ جس کے بعد
بن گئی مجذوب کی بڑ گوئٹے کی داستاں

نیل ڈالے جس نے سینوں میں وہ ہے ضربِ کلیم
جس سے ہر فرعونِ بے ساماں کا دل ہے نیم جاں

نام جس مجموعے کا مشہور ہے بانگِ درا
اس نے چونکایا جہاں کو کارواں در کارواں

اور اک تصنیفِ اُردو یعنی بالِ جبریل
اس کا شہبازِ تخیّل عرش پر ہے پُرفشاں

علم کی دنیا میں حاصل ہے قبولِ عام انہیں
مستفیض و مستفیدان سے ہیں سب خورد و کلاں

قصّہ کوتہ تیرے ارشادات و ملفوظات نے
اہلِ حکمت میں بڑھا دی آبروئے شاعراں

ورنہ یہ تھی شاعروں کی قدر و عزّت ملک میں
ہو کوئی احسن تو اس پر بھی تھا اکذب کا گماں

زندہ باد اے مصلحِ آئینِ حکمت زندہ باد
دی حیاتِ تازہ تو نے اے مسیحائے زماں

اور کیا کہیئے کہ روشن تر ترا احوال ہے
تو بلند اقبال و بجوش اقبال و سر اقبال ہے

(یہ نظم اقبال کے دورانِ حیات لکھی گئی)

ماہ نو - اپریل ۱۹۴۹ء

اسد ملتانی

عصرِ اقبال

قول یہ اقبال کا تھا "شاعرِ فردا ہوں میں"
اس سبب سے انجمن کے درمیاں تنہا ہوں میں

بس کہ پُر تاثیر تھی اُس کی صدائے دردناک
بُلبلِ تنہا کے نالوں سے ہوئے دل چاک چاک

زندگی میں کارگر ہونے لگا اس کا پیام
بعدِ رحلت اور بھی روشن ہوا اس کا کلام

معترف سب حکمتِ اقبال کے ہونے لگے
مشرق و مغرب میں اس کے ترجمے ہونے لگے

بہرہ یاب اس کے سخن سے ہو رہے ہیں آج سب
ترکی و شام و عراق و مصر و ایران و عرب

رات دن اس کی نواؤں سے فضا معمور ہے
اس کے نغمے نشر کرنے پر ہوا مجبور ہے

آ گیا ہے عالمِ افکار میں اک زلزلہ
کروٹیں لینے لگا ہے زندگی کا ولولہ

ہے جو تحریکِ اتحادِ عالمِ اسلام کی
یہ بھی اک تشکیل ہے اقبال کے پیغام کی

عالمِ اسلام کے فکر و نظر پر چھا گیا
وقت کے افکار پر اقبال غالب آ گیا

خُلدِ نو میں سب سے اُونچا قصر ہے اقبال کا
حق تو یہ ہے عصرِ حاضر عصر ہے اقبال کا

اشرف عطاؔ

قلندر کے مزار پر

وہ کہ جس کے دم سے تھیں بزمِ خودی کی رونقیں — واقفِ رازِ خودی تھا عاشقِ نامِ رسولؐ
جس نے ملّت کے دلوں میں بھر دیا سوزِ بلالؓ — جس نے ملّت کو سکھائے زندہ رہنے کے اصول
جس نے ضربِ لا سے توڑا تھا طلسمِ رنگ و بُو — جس کو عالمگیر انسانی اخوّت تھی قبول
جس نے قلبِ ہند میں پھونکا تھا صورِ انقلاب — جس کا دل تھا قیصریّت کے مظالم پر ملول

وہ قلندر جس نے مشرق سے کہا "بیدار شو" — جس نے ملّت سے کہا تقلیدِ مغرب ہے فضول
وہ قلندر جس نے افشا کر دیا رازِ حیات — آج اس کی قبر پر ہے رحمتِ حق کا نزول

میں نے کل شب خواب میں دیکھا یہ نظارہ عجیب — عرفیؔ و رومیؔ و خاقانیؔ کھڑے تھے سب ملول
کہہ رہے تھے مرقدِ اقبالؔ پر مولائے رُوم — ترکِ خوابِ نازکن لے واقفِ رمزِ رسولؐ

غلام رسول آزہر

رُوحِ اقبالؒ سے

رُوحِ اقبال سے پھر پُوچھتے ہیں اہلِ جنوں
جذبۂ شوق کہاں حُسنِ نظر کا افسوں
وہ خودی تیری کہاں جو ہے بشر کی معراج
جس کے پنجے میں جبریل بھی ہے صیدِ زبوں

رُوحِ اقبال کو آواز لگائے کوئی
اپنے قائد کو بہر طور بلائے کوئی
مضطرب حال، پریشان، شکستہ بازو
ہم زیاں کوش ہوئے آپ بتلائے کوئی

اکبر حمیدی

شاعرِ مشرق

تیری نواؤں نے بخشا دلوں کو سوزِ یقیں
تڑپ اُٹھے ہیں مرے تیرہ خاکداں کے مکیں

ترے جنوں نے خرد کو دیا ہے درسِ خودی
تری نگاہ نے کھولے رموزِ دنیا و دیں

ترے قلم نے لکھیں آپ اپنی تقدیریں
مثالِ مہرِ درخشاں تھی تیری لوحِ جبیں

ترے پیام نے اک تازہ ولولہ بخشا
ترا پیام ہے امیّد بخشِ قلبِ حزیں

ترے جلال سے اُٹھّے مری نظر کے حجاب
ترے جمال سے پائی نگاہ نے تسکیں

ہزار گتھیاں تیری خرد نے سُلجھائیں
ہزار پردے اُٹھائے ترے جنوں نے کہیں

بہت اُچھالا ہے نطشے کو اہلِ مغرب نے
مگر اے شاعرِ مشرق ترا جواب نہیں

اکبر کاظمی

شاعرِ مشرق

ترے مذاقِ خودی سے ہوئی خرد سرشار　　دیارِ ہوش میں ابھری خود آگہی کی فضا
شعور و فکر میں احساس کے چراغ جلے　　ملی نگاہوں کو اک تازہ روشنی کی ادا
روش روش پہ ہوا حسنِ زندگی بیدار　　نئی حیات کے عنوان مسکرانے لگے
ترے مزاج سے لے کر متاعِ خوش نظری　　خیال و فکر کے ایوان جگمگانے لگے
ترے ہی اسپِ خودی پر سوار ہو کے ملا　　وطن پرستوں کو دنیا میں اک مقامِ نوی
جہانِ زیست میں اپنے لہو سے دیپ جلاؤ　　دیا تھا تو نے ہی مشرق کو اک پیامِ نوی
یہ سرزمین ہے وہی جس پہ تیرے وقتوں میں　　بہر مقام گھنی تیرگی کے سائے تھے
بہر ادا جسے ہم نے اجالنے کے لئے　　مخالفوں سے بہر طور زخم کھائے تھے
حیاتِ نو کے شناور خود آگہی کے امیں!　　تری خودی کو عمل میں نہ لا سکا کوئی
ترا وہ درسِ مساوات اگرچہ گیت سہی　　وہ گیت بھی نہ ترے بعد گا سکا کوئی

"یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ"
بجا ہے یہ ترا فرمان شاعرِ مشرق
بغیر بازو و شمشیر کچھ نہیں ملتا
مرا بھی ہے یہی ایمان شاعرِ مشرق

ج۔ د۔ کاظمی

شاعرِ مشرق

وطن پہ چار سُو افسردگی سی طاری تھی
بھٹکی بھٹکی سی نگاہیں لُٹے لُٹے سے دماغ
تمام عالمِ امکاں پہ اک اُداسی تھی
سمے سمے کے جلو میں بُجھے بُجھے سے چراغ

بشر کا ذوقِ تجسّس تھا کفر کی زد میں
اصُول و عزم سے عاری تھی آدمی کی ادا
جہانِ ہوش پہ منڈلا رہی تھی قہر کی دھول
ظلام و جبر کی ماری تھی زندگی کی فضا

تری خودی کے تصوّر سے "شاعرِ مشرق"
ستم زدوں کے ارادوں میں جان آنے لگی
ہر ایک سمت جسارت کی مشعلیں لپکیں
وطن میں صورتِ امکان مُسکرانے لگی

جہانِ کُفر میں ایماں کے ماہتاب اُبھرے
چمن میں پھیل گئی جن کی روشنی ہر سُو
بساطِ دہر پہ اُبھرا وجودِ پاکستان
فضا میں ہونے لگا رقصِ زندگی ہر سُو

مگر وہ فکر ترا ایک ہوں مسلماں سب
جہاں میں زیست کے عرفان کی جلا پھیلے
ہر ایک سمت مساوات کے چراغ جلیں
خُدا کے نام پہ قُرآن کی ضیا پھیلے

ہے تیرا فکر ابھی تک وہ تشنۂ تکمیل
ہے دُور ہم سے ابھی تک وہ جلوۂ تندیل

بختیار علی ایڈووکیٹ

خودی

حقیقت میں خودی شانِ قلندر
خودی سے پختہ پیمانِ قلندر
تجھے یہ رازِ سربستہ بتا دوں
خودی ہے دین و ایمانِ قلندر

خودی خود ہے نگہبانِ قلندر
خودی سے زندہ ترجانِ قلندر
مجھے اک رازداں نے ہے بتایا
خودی ہے ساز و سامانِ قلندر

خودی کیا ہے خدا کو ماننا ہے
خودی کیا ہے اسے پہچاننا ہے
خودی دیتی ہے درسِ بے نیازی
خودی سب کچھ خدا کو جاننا ہے

خودی سارے جہاں کی پادشاہی
خودی حاصل نہیں تو رُو سیاہی
یہ نکتہ اک قلندر نے بتایا
خودی سے ذوقِ عرفانِ الٰہی

بشیر فاروق

نذرِ اقبالؒ

آج اس زندۂ جاوید کا ہے یومِ عظیم
جس سے ہے ملّتِ اسلام کی فکری تنظیم

جس نے بخشا دلِ مُردہ کو نیا عزمِ حیات
رُوحِ افسردہ کو دی جس نے خودی کی تعلیم

جس کا ارشاد کہ تقدیر بدل سکتی ہے
مشتِ خاکی میں پر افشاں ہو اگر عزمِ صمیم

جس نے اربابِ تگ و دو کو یہ پیغام دیا
سب مُسافر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم

اشک افشاں جسے رکھتا تھا غمِ نوعِ بشر
خوں رُلاتا تھا جسے قوم کا احوالِ سقیم

جس کے انفاس میں ہے نکہتِ گلہائے حجاز
جس کے افکار میں ہے گلشنِ بطحا کی شمیم

جس کا ہر جذبۂ بیدار ہے بالِ جبریل
جس کا ہر لفظ ہے ملّت کے لیے ضربِ کلیم

تیرے اشعار مسافر کے لیے بانگِ درا
تیرے اشعار غلاموں کے لیے رُوحِ کلیم

اہلِ مغرب کے لیے تیرا پیامِ مشرق
نامۂ فکر و نظر، حکمتِ خوددار حکیم

لالہ و گل ہیں اُدھر تیرے لیے سینہ خراش
مضطربِ صحنِ چمن میں ہے اِدھر موجِ نسیم

جاگ اسرارِ خودی کے سخن آرا اقبالؒ
تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم

دانا بھگوان داس بھگوانؔ

شاعری میں جس نے دُہرایا پیامِ مصطفےٰؐ

قطعہ

قوم کے اقبال تیری شاعری الہام ہے — جوہرِ شانِ خودی کا مستقل پیغام ہے
شاعرانِ خوش نوا کی شان ہے اقبال تو — اہلِ مشرق کے لئے اللہ کا انعام ہے

نظم

وہ مفکّر۔ وہ مجدّد۔ وہ سخنور۔ خوش نوا — جس کا رمزِ شاعری ہے رمزِ احکامِ خدا
وہ مفسّر، دین کے احکام کا قرآن کا — شاعری میں جس نے دہرایا پیامِ مصطفےٰؐ
شعر کی معجز نما طاقت سے جس نے قوم کو — قوّتِ فکر و عمل کا اِک نیا مژدہ دیا
اس کا نغمہ لا اِلٰہ۔ اس کا ترانہ حرفِ حق — قلب پر پھر نقش اِلا اللہ قائم کر دیا
شعر سے صیقل کیا جس نے ضمیرِ قوم کو — جوہرِ انسانیت کو خوب تاباں کر گیا
آہِ سوزاں سے یہ کس کی؟ قوم زندہ ہو گئی — کون ہے؟ وہ جس کا نغمہ بن گیا بانگِ درا
کس نے شعروں میں بھرا ہے سوزِ قلبِ مرتضیٰؓ؟ — کس نے مظلوموں کو بخشا عزمِ شاہِ کربلا
کون ہے؟ وہ جس کا نغمہ، نغمۂ جبریلؑ ہے؟ — شعر جس کا بن گیا ہے شرحِ فرمانِ خدا
کون ہے؟ وہ جس کا نغمہ صورِ اسرافیل ہے؟ — شعر سے جس نے دلِ مردہ کو زندہ کر دیا

جس کے ہر ہر لفظ میں الہام جیسی شان ہے
شاہد اس کے شعرِ عالم گیر کا بھگوانؔ ہے

ملک الشعراء بہار (ایران)

خراجِ عقیدت

بیدلے گر رفت اقبالے رسید

بیدلاں را نوبتِ حالے رسید

قرنِ حاضر خاصۂ اقبال گشت

واحدے کز صد ہزاراں برگذشت

ہیکلے گشت از سخن گوئی بپا

گفت کل الصید فی جوف الفرا

شاعراں گشتند جیشے تار و مار

دیں مبارز کرد کارِ صد سوار

دیں سلامے می فرستم سوئے یار

بے ریا تر از نسیمِ نو بہار

ماہ نو۔ اپریل ۱۹۶۹ء

ڈاکٹر تاثیر

پیامِ اقبالؔ

شاعر

عقل کے پیچ و تاب میں غرق سفینۂ حیات
موت تو خیر موت تھی آج حیات ہی ممات

سو گئے سب فسانہ گو کھو گئے راہ راہرو
رات کو دن نہ کر سکے دن کو بنا دیا ہے رات

حُسن کی بارگاہ میں آنکھ ہے ناصبور ابھی
قلب ہے بے حضور ابھی ذات ابھی ہے بے صفات

عِشق نہیں ہوس سہی، نُور نہیں تو آگ ہو
کچھ تو ہما ہمی رہے سُست ہے نبضِ کائنات

اقبالؔ

یہ جو نظر کے پاس ہے یہ نہیں تیری کائنات
یہ جو خرد کا وہم ہے یہ نہیں حدِّ ممکنات

آج کے غم کو بھول جا کل کی اُمید چھوڑ دے
تیرا زماں بھی بے ثبات تیرا مکاں بھی بے ثبات

وصل ہے شوق کا زوال، رہزنِ راہ منزلیں
تیرا مقام بے سکوں، تیرا سفر تری حیات

راہ بھی راہبر بھی تُو، نقش بھی نقش گر بھی تُو
تجھ سے شہودِ بیّنات تجھ سے وجودِ محکمات

"شاخِ نہالِ سدرۂ، خار و خسِ چمن مشو
منکرِ اُو اگر شدی، منکرِ خویشتن مشو"

امین حزیں سیالکوٹی

التجأ

امین حزیں بہ حضور پرنور مولائے کل ختم رسل نبیؐ ہاشمی فداہٗ امی و ابی

بہ توسط حکیم الامت

نے نواز آستانۂ پاک رحمت للعلمین فخر کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات

اے کہ از عشق "خفتہ یثرب" | بہرہ ئے وافرے بہ تو دادند
از اذانِ تو "آذرانِ عجم" | دیدہ نم کردہ سجدہ ہا پاشند
از نواہائے پاکِ بربطِ تو | دیریاں را شکستہ شد ناقوس
سحرِ عقلِ فرنگ سحر نہ ماند | تار تار است جامہ سالوس
اے خنک مرقد! اے سراپا سوز | از تو ما یک شرارہ ئے طلبیم
در جہانِ ولاء "زبدۂ حق" | ما گدایاں نظارہ ئے طلبیم
اے کہ با خواجہ بادہ پیمائی | از حزیں صد درود نذر گذار

دیں تمنائے دل گذارش کن
از مئے عشقِ خود کنش سرشار

حفیظ تائب

حکیم الامّت

نازشِ عالمِ اسلام حکیم الامّت
تابشِ چہرۂ ایام حکیم الامّت

رُوحِ اُمت کو جگانے کے لئے کافی ہیں
تیرے نغمے، ترا پیغام حکیم الامّت

کارواں کے لئے آواز تری "بانگِ درا"
واقفِ منزل و انجام حکیم الامّت

تیرا ہر لفظ ہے عکسِ پرِ "بالِ جبریل"
تیرا ہر شعر ہے الہام حکیم الامّت

تیرا ہر گیت ہے اُمت کے لئے "ضربِ کلیم"
تیرا ہر بول ہے انعام حکیم الامّت

ظلمتِ وقت کا اندازہ کیا تھا تُو نے
مہر کا رختِ سفر تازہ کیا تھا تُو نے

محرمِ پردۂ اسرار حکیم الامّت
واقفِ منزلِ افکار حکیم الامّت

شاعرِ قوم! ہر القاب تجھے زیبا ہے
نغمہ گر، قافلہ سالار حکیم الامّت

منفرد بھی ہے، موثر بھی ہے دلکش بھی ہے
تیرا پیرایۂ اظہار حکیم الامّت

روشنی جس سے ملی بھٹکی ہوئی مِلّت کو
تُو ہے وہ نُور کا مینار حکیم الامّت

فیض سے جس کے ہرا ہو گیا دیں کا گلشن
تُو ہے وہ ابرِ گہر بار حکیم الامّت

ہم تری یاد مناتے ہی رہیں گے ہر سال
گل عقیدت کے لٹاتے ہی رہیں گے ہر سال

ماہ نو۔ اپریل ۱۹۶۷ء

حفیظ تائب

شاعرِ مشرق

تُو سینۂ مشرق کی صدا شاعرِ مشرق
تو دیدۂ ملّت کی ضیا شاعرِ مشرق

تُو بادۂ آزادیٔ اظہار کا ساقی
تُو بربطِ فطرت کی نوا شاعرِ مشرق

گرماتی ہے سینوں کو تری گرمیٔ افکار
تڑپاتی ہے ہر تیری ادا شاعرِ مشرق

آواز تری سب سے الگ رہبرِ ملّت
انداز ترے سب سے جدا شاعرِ مشرق

مشرق ترے نغموں سے ہے معمور و منوّر
مغرب ترے گیتوں پہ فدا شاعرِ مشرق

ہو گا ابھی چرچا ترے پیغام کا کچھ اور
چمکے گا ابھی نام ترا شاعرِ مشرق

ڈاکٹر تبسم رضوانی

اقبالؒ کے حضور میں

ترے دیار میں جو رنج و درد سہتے ہیں
ترے حضور میں وہ آج حال کہتے ہیں

اصول چھوڑ کے، ہم بے اصول ہوتے گئے
تمام قول، نظر میں فضول ہوتے گئے
ہمارا موجِ بہاراں نے ساتھ چھوڑ دیا
کہ خشک خار کی صورت میں پھول ہوتے گئے
طلب نے پھونک دیا جب ہوس کی چکّی میں
پسے پھر ایسے کہ رستے کی دُھول ہوتے گئے
دلوں پہ پڑ گیا کچھ ایسا بارِ جُرم و خطا
سراب، ذہن و نظر کو قبول ہوتے گئے

مگر جو لوٹ کے آتا ہے شام کو گھر پر
مثل یہ ہے، اُسے بھولا نہ سمجھے کوئی بشر

ترا پیام سمجھنے کی پھر ملے توفیق
کریں بہ رنگِ وفا، ہم ضمیر کی تحقیق
نئے چراغ جلیں چاہتوں کے معبد پر
کہ روشنی بنے نقش و نگار کی تشویق
مروّتوں کا چڑھائیں فلک پہ وہ خورشید
کہ جس کے نور کی، ذرّات کریں خود تصدیق
پرانی مٹی کو پھر ایک بار گوندھ کے ہم
سکون خیز کریں شاہکار پھر تخلیق
جو اتفاق میں عظمت ہے اس کا کیا کہنا
زبان و لب پہ نہ ہم لائیں قصّۂ تفریق
یقیں کے ساتھ کریں پیروی محمدؐ کی
ہمارے سینے کو مل جائے گا دلِ صدیقؓ

ہم اپنے دین کے سائے کا آسرا لے لیں
ترے کلام کے سورج سے پھر ضیا لے لیں

تسنیم کوثر گیلانی

بحضورِ شاعرِ مشرق

میدانِ عمل میں کوئی آغاز نیا تھا
تھی سوچ مگر سوچ کا انداز نیا تھا

آزادیٔ افکار کے نغمے تھے فضا میں
آواز کے آہنگ میں اک ساز نیا تھا

ارواح میں اک گرمیٔ احساس کا عنصر
رفتارِ عمل کے لئے اعجاز نیا تھا

تھے جس کے تصوّر سے اندھیروں میں اجالے
سوچوں کے افق پر کوئی مہناز نیا تھا

"مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی"
ایسے نظریات کا جانباز نیا تھا

اَذہان کو جو اُس سے ملی دولتِ بیدار
تقدیر کا یہ حاصلِ پرواز نیا تھا

وہ ماہرِ تشخیص تھا نبّاضِ زمانہ
ہم کو جو دیا اُس نے وہ اعزاز نیا تھا

عطارؔ ہو، رومیؔ ہو کہ رازیؔ کہ غزالیؔ
اِن سب کے اُصولوں کا سُخن ساز نیا تھا

تسنیمؔ کوئی عہدِ وفا اُس نے نبھایا
بہبودِ مُسلماں کا وہ ہمراز نیا تھا

عبد الکریم ثمرؔ

اقبالؒ

ابھر رہا ہے زمانے میں عظمتوں کا کمال
مری زباں پہ ہے پیغامِ حضرتِ اقبالؒ

وہ فلسفی، وہ مدبّر وہ نکتہ سنجِ کمال
اُسے ملا ہے ازل سے پیمبرانہ جلال

اسی کے حُسنِ تخیّل کا شاہکار وطن
ضیائے صبحِ درخشاں فروغِ شامِ جمال

وہی پیمبرِ گلشن وہی رسولِ چمن،
کلی کلی پہ نمایاں اسی کا حُسنِ خیال

اُسی نے جادو جگائے ہیں کارزاروں میں
کلیم سرِّ خودی واقفِ عروج و زوال

اسی کے فکرِ و تخیّل پہ ہے ضیا افشاں
عجم کا حُسنِ مروّت عرب کا سوزِ بلالؓ

اسی کے فیض سے درّاج بن گئے شاہیں
دیا غریب کو اس نے قلندرانہ جلال

اسی کے نغمۂ شیریں میں سوزِ عشقِ رسولؐ
اُسی کے اشکِ تمنّا میں آتشِ سیّال

مجھے یقیں ہے ثمرؔ زندگی کی راہوں میں
بڑھے گا اور بھی رہوارِ حضرتِ اقبالؒ

شیر افضل جعفری

اقبالؒ

فکرِ منظوم کو اسلام کا عنوان کیا
تُو نے اقبالؒ مسلمان کو مسلمان کیا

مست و سرشارِ محبت کے ترانے دے کر
بزمِ تاریخ میں جمہور کو یک جان کیا

گنگ مٹی کو دیا بلبلِ عرفاں کا الاپ
بے زباں قوم کو نغمہ گرِ قرآن کیا

طرزِ فریاد کو بخشی دلِ زندہ کی بہار
مجمرِ آہ کو ملہار سے گلدان کیا

زہدِ بے رُوح کو تعلیم کئے عشق و خلوص
دیدۂ قلب کو انساں کا نگہبان کیا

تال دے دے کے دھڑکتے ہوئے ارمانوں کا
بسملِ ارض کو رقّاصِ فلک شان کیا

رازِ افلاک کے برسا دیئے انسانوں پر
ریت کے ذرّوں کو تاروں کا زباں دان کیا

پاک اقلیم کا ایّام کو نعرہ دے کر
مسئلہ شیخ و برہمن کا بھی آسان کیا

شیر افضل جعفری

بحضورِ قلندر

سُلگتی شاخ کو حسنِ ثمر دیا تُو نے
بُجھی بُجھی سی دُعا کو اثر دیا تُو نے
اندھیری رات میں کھوئے ہوئے مُسلماں کے
جگر کے داغ کو مہتاب کر دیا تُو نے

سمجھ رہا ہے پہاڑوں کو روئی کے گالے
مہیب سلسلوں کو عنکبوت کے جالے
نگاہِ وقت سے گرتے ہوئے مُسلماں نے
تری عنایتوں سے ہاتھ عرش پر ڈالے

مصیبتوں کو بغل میں دبوچ لیتا ہے
وہ دُور دُور کی لحظے میں سوچ لیتا ہے
تری اَنا کا جو پَرتو پڑے مسلماں پر
تو عزرائیل کے شہپر بھی نوچ لیتا ہے

بہار و ابر و فضا کو شکار کرتا ہے
نصیب و قدر و قضا کو شکار کرتا ہے
خودی کے مست اشاروں کی چاندنی میں دل
قلندری سے خُدا کو شکار کرتا ہے

جمیل ملک

علامہ اقبالؒ

وطن کے شاعرِ بیباک، گلفشاں مطرب
حیات اب بھی ترے گیت گنگناتی ہے
تری نوا میں ہے وہ وحدتِ یقین و عمل
کہ جس سے عظمتِ انساں کی آنچ آتی ہے

وہ جس کی غالب و حالی نے ابتدا کی تھی
اسی پیام کو تُو نے حیاتِ نو دے دی
سخن کی آگ کو جوشِ خودی سے دہکا کر
اَدب پہ چھائی ہوئی ظلمتوں کو ضو دے دی

بدلتے وقت کی قدروں کو تُو نے پہچانا
ستم شعار فرنگی کا سحر توڑ دیا
غلام قوم کا رشتہ بڑے خلوص کے ساتھ
نئے سماج، نئی زندگی سے جوڑ دیا

تو آج ہم میں نہیں ہے مگر مفکّرِ زیست
ترا خلوص، ترا سوز، مر نہیں سکتا
ہزار بادِ مخالف چلے مگر کوئی،
تری پُکار کو مغلوب کر نہیں سکتا

یہ سلسلہ یُونہی جاری رہے گا تا بہ ابد
نیا جہاں نئے اِقبال لے کے آئے گا
دراز کارِ جہاں ہے، طویل راہِ عمل
شعور، چاند ستاروں کی تھاہ پائے گا

حافظ لدھیانوی

اقبالؒ

وہ ایک پھول تھا جس کی لطیف خوشبو سے
مشامِ جاں ہے معطّر نفس نفس تازہ
سُنا گیا وہ ہمیں مژدۂ بہار افروز
کرے گا کون بصیرت کا اُس کی اندازہ

وہ ایک نُور تھا تاریکی وجہالت میں
دل و دماغ کو جو کر گیا درخشندہ
خیال و فکر میں وہ اب بھی جگمگاتا ہے
مثالِ ماہ رہے گا وہ ہم میں تابندہ

وہ ایک رنگ تھا جو زینتِ گلستاں ہے
اسی کے پرتوِ رنگیں سے ہے چمن آباد
بہارِ نو میں جنہیں پھُول مُسکراتے ہیں
اسی کے رنگ سے ہے گُلشنِ وطن آباد

وہ اِک فقیر تھا جس کی صدائے دلکش سے
مِلی ہے دولتِ خود بینی و سحر خیزی
تھا ہیچ اس کی نگاہِ بلند کے آگے
شکوہ و سطوتِ دارا غرورِ چنگیزی

وہ نغمہ گر تھا کہ جس کی نوائے رنگیں سے
ہوئی ہے زندگی کرنے کی ہم میں خُو پیدا
وہ ایک جھونکا نسیم سحر کا تھا جس سے
ہے شاخ شاخ میں صد قوّتِ نمو پیدا

وہ آستانۂ ختمِ رُسل کا مردِ غیور
تمام فیض اسی ایک بارگاہ کا تھا
نظر پڑی نہ کبھی آستانِ باطل پر
چراغ سینے میں تابندہ لا اِلٰہ کا تھا

وہ حریّت کی سحر کا تھا مطلعِ اوّل
وہ علم و فن کا اجالا وہ آگہی کا چراغ
دلوں میں عزم و یقیں کی جلا گیا شمعیں
وہ جس کو مل نہ سکا سوزِ زندگی سے فراغ

وہ ایک پھول تھا مہکا گیا چمن سارا
اس ایک فرد کا ممنون ہے وطن سارا

حفیظ ہوشیارپوری

اقبالؒ کی یاد میں

وہ خلوت اور جلوت میں ہجومِ شوق کا عالم
جہاں دن رات لٹتی تھی متاعِ دیدۂ پُرنم

جہاں سوزِ دروں کی آگ کا بس ایک مقصد تھا
تلاشِ جادوداں، دائم طلب، سعیِ عمل پیہم

جہاں افکار کا مرکز بلندی نوعِ انساں کی
جہاں کردار کا حاصل، محبّت فاتحِ عالم

کچھ اس انداز سے چھیڑی حدیثِ آرزومندی
کہ پھر ٹوٹے دلوں میں ہو گیا ذوقِ یقیں محکم

جہانِ نو تراشا فکرِ رنگیں کار سے اس نے
کوئی دیکھے تو اس کی شوخیٔ اندیشہ کا عالم

ابھی کانوں میں اک گونجی ہوئی آواز باقی ہے
ابھی زندہ ہے وہ رازِ آشنائے عظمتِ آدم

چمن بندِ بہارِ تازہ ہے خونِ جگر اس کا
سرِ خاکِ شہیدے برگ ہائے لالہ می پاشم
"کہ خونش با نہالِ ملّت، سازگار آمد"

حفیظ ہوشیارپوری

نالۂ پابندِ نَے
بیادِ اقبالؒ

عمرہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

اقبالؒ

سُنائیں کیا کسی کو قصّۂ دردِ نہاں اپنا
نہ کوئی ہم زباں اپنا نہ کوئی رازداں اپنا

وُہی ہم ہیں وُہی دیرینہ ماتم بدنصیبی کا
نہ رفتارِ زماں اپنی نہ دَورِ آسماں اپنا

ابھی کچھ داد باقی تھی ہماری سخت جانی کو
ابھی منظور تھا قُدرت کو شاید امتحاں اپنا

مقدّر کو تدبّر سے کیا تھا سرنگوں جس نے
نظر آتا نہیں ہم کو وہ میرِ کارواں اپنا

کدھر کو جائیں اہلِ کارواں "بانگِ درا" گم ہے
درا کا ذکر کیا اس کارواں کا رہنما گم ہے

نظر سے "جلوۂ آخر" کی تابانی نہیں جاتی
دلِ مہجور کی آئینہ سامانی نہیں جاتی

ہوا تیرے شکوہِ مرگ سے ثابت کہ مرکر بھی
پرستارانِ حق کی خندہ پیشانی نہیں جاتی

تری تربت پہ جاتے ہیں بلکتے ہیں جگاتے ہیں
یہ نادانی سہی لیکن یہ نادانی نہیں جاتی

تو وہ شہکارِ فطرت تھا کہ تجھ کو چھین کر ہم سے
نہیں جاتی "مشیئت" کی پشیمانی نہیں جاتی

جہاں آباد ہے تجھ سا مگر انساں نہیں کوئی
ستارے ہیں بہت لیکن مہِ تاباں نہیں کوئی

یہ ممکن ہے رگِ گلبرگِ تر سے ہو شرر پیدا
نہیں ممکن کوئی اقبالؔ سا ہو پھر بشر پیدا

حرارتِ آوارۂ دیر و حرم رہتی ہے صدیوں تک
تو بزمِ عشق سے ہوتا ہے اک اہلِ نظر پیدا

کئی پرویز دادِ عیش و عشرت دے کے مرتے ہیں
تو ہوتا ہے کہیں فرہاد سا خونیں جگر پیدا

"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

نہ جانے کتنی مدت آفتاب اِک غم میں جلتا ہے
تو سنگِ تیرہ لعلِ بے بہا بن کے نکلتا ہے

عبدالعزیز خالد

اقبالؒ

اے خودی کے شاعرِ والا صفات　　تجھ پہ آئینہ تھے اسرارِ حیات
سوز و سازِ آرزو مندی سے تھی　　روشن و پُر مایہ تیری کائنات
محرمِ یکتائی دُرِّ یتیم　　مُنکرِ دارائی لات و منات
تُو نے درویشی کو دی شانِ کئی　　تُو نے ٹھکرائی خدائی کی زکات
تُو نے کھولا اس طلسمِ راز کو　　موت در پردہ ہے تجدیدِ حیات
اشک و آہ و ذکر و فکر و زمزمہ　　یہ ہیں تیری زندگی کے واقعات
سال و سن کی ہے عبث بحث و جدل　　اصل شے ہیں ذہن و دل کی واردات
بے ہمہ ہو آدمی یا باہمہ　　بے خودی ہو یا خودی، اثباتِ ذات
بن گیا تھا جو سخن برگِ حشیش　　ہے وہ تیرے لمس سے شاخِ نبات
تیرے شعری پیکروں کے سامنے　　خم صنوبر قدِ بُتانِ سومنات
ہے محال و ممتنع تیرا کلام　　تو نے دکھلائے بیاں کے ممکنات
تُو نے ناممکن کو ممکن کر دیا　　یعنی دی اہلِ زباں کو شاہ مات

زندۂ جاوید ہے تیرا سخن ہے زمانے کی طرح اس کو ثبات
تیری تمثیلیں سوادِ حرف میں رات کے آنگن میں تاروں کی برات
تیری تشبیہیں پرت اندر پرت عاملات ، والدات ، مُرضعات
تیرے اندازِ تکلّم کی قتیل غضُّ الاطرافِ ، حسان ناعمات
تیری پروازِ تخیّل دیکھ کر، محوِ حیرت فاعلاتن فاعلات
ہے صریرِ خامہ آوازِ سروش یہ خدا کا ہاتھ ہے یا تیرا ہات؟
حیطۂ ادراک میں آتے نہیں تیرے ابعاد و مقامات و جہات
فکر و فن کا یہ مرقّع دیکھ کر ہم کو آیا اعتبارِ معجزات
خواب جو دیکھا تھا تو نے بن گیا رفتہ رفتہ نقشۂ صبحِ نجات
بُوئے عشق آتی ہے تیری قبر سے ہے یہ کس کی تجھ پہ چشمِ التفات؟
لیتے رہنا خوابِ نوشیں کے مزے سوتے رہنا حشر تک بعد از وفات

ساری امّت گوش بر آواز ہے
یا بلالؓ! قُمْ فَنادِ بِالصّلوٰۃ

خالد بزمی

اقبالؒ

جبینِ پُرمتانت سے اُجاگر اُس کی عظمت تھی
اور اس کے دم سے دنیا کے ادب کی زیب و زینت تھی

چمن زارِ ادب میں اک "گُلِ رنگیں قبا" تھا وہ

ادب کے باغ میں اس نے کئی غنچے کھلائے ہیں
اور اس کی مسکراہٹ سے کئی گل مسکرائے ہیں

گلستانِ ادب کے واسطے "بادِ صبا" تھا وہ

کہاں وہ طرزِ لاثانی، کہاں وہ فکرِ لافانی
کہ اِس میدان میں آساں نہیں اُس کا کوئی ثانی

گلستانِ سخن کا "بُلبُلِ شیریں نوا" تھا وہ

حقیقت میں وہ جانِ محفل و روحِ گلستاں تھا
جہاں تاریکیاں تھیں، اُن میں وہ شمعِ فروزاں تھا

مسلماں قوم میں اک "رہبرِ درد آشنا" تھا وہ

نہ اب محفل میں وہ رونق، نہ وہ رنگینیاں باقی
نہ وہ صہبا، نہ وہ ساغر، نہ وہ مینا، نہ وہ ساقی
ادب کے میکدے میں "میکشِ رونق فزا" تھا وہ

رہے گا اُس کی علمی خدمتوں کا تذکرہ اکثر
قیامت تک کرے گی ناز تاریخِ ادب اُس پر
کہ تاریخِ ادب میں اک "متاعِ بے بہا" تھا وہ

کہاں اقبال سا صاحب دل و صاحب نظر پیدا "
"بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
مسلماں قوم کا "ہمدرد و مخلص رہنما" تھا وہ

خاور لدھیانوی

علامہ اقبالؒ

ایک موجِ تند جولاں ناشکیب و ناصبور
جس کی جوشش، جُو بہ جُو، دریا بہ دریا، یم بہ یم
دشت و گلشن سے گزرتی صورتِ موجِ نسیم
آب و گل کو بخشتی، سوز و سرورِ دمبدم

ساحلِ اوہام کے دامِ کہن کو چیرتی
بحرِ حق میں ڈوب کر ابھری مثالِ لعلِ ناب
محفلِ ذرات سے بزمِ مہ و پروین تک
زندگی کے عارضِ افسردہ پر لائی شباب

نغمۂ عشق و وفا گاتی خودی کے ساز پر
بیخودی کو آگہی سے آشنا کرتی ہوئی
راہِ ہستی میں جلا کر علم و حکمت کے چراغ
عشق کے دیوانہ پن کو رہنما کرتی ہوئی

مستیٔ صبحِ ازل میں گنگناتی جھومتی!
میکدے کے پاس سے گزری تو نغمہ بن گئی
منزلِ عرفاں کی جانب صورتِ شبنم رواں
راستے میں بتکدہ آیا تو شعلہ بن گئی

محفلِ رنداں ہو یا بزمِ عروسانِ بہار
خود تو بحرِ بیکراں میں بیکراں ہو کے رہی
یعنی جس محفل میں پہنچی بزم کا دل بن گئی
اور ہر چشمِ تماشائی کا ساحل بن گئی

حُسن کے دل میں جگا کر بزم آرائی کا شوق
سوزِ مشتاقی سے قلب و جاں کو گرماتی ہوئی
بے حجابی کے لیے اسباب فراہم کر دیا
بارگاہِ عشق میں پہنچی تو سر خم کر دیا

تند جولاں موج کیا تھی اک دلِ بیتاب تھا
وہ دلِ بیتاب جو عشق و وفا کی جان تھا
وہ دلِ بیتاب جو رمزِ خودی کو پا گیا
وہ دلِ بیتاب جو اقبال کو خوش آ گیا

وہ دلِ بیتاب جس کی آنچ میں سوزِ ازل
وہ دلِ بیتاب جس کے سوز میں نورِ ابد
وہ دلِ بیتاب جس سے فرش کا سینہ گداز
وہ دلِ بیتاب جس کی عرش پر پڑتی ہے زد

پروفیسر محی الدین خلوتؔ

حکیمِ اُمّت

اے حکیمِ اُمّتِ ما شاعرِ فطرت شناس
یادِ تو قلبِ حزیں را مایۂ صبر و سکون
از تو گشتیم آشنائے وحدتِ عزم و یقیں
عشقِ ما اُمّت را رساندی تو بہ سرحدِّ جنوں

از کلامِ حرّیت آموز پیغامِ خودی
طرحِ نو لاریب افگندی بہ اقلیمِ سخن
ہیبتِ افرنگ طاری کرد گو بر ما سکوت
نعرۂ مستانۂ تو آمدہ افسوں شکن

اے کہ کردی قوم را سرشارِ صہبائے یقیں
ساختی روشن دلِ ما از شرارِ آرزو
زندۂ جاوید ہستی تو بہ فیضِ عشقِ خویش
بر زبانِ ماروان است قدّسِ حق سرّہٗ

محیّ الدین خلوت

اے اقبالؒ

ارضِ پاکستان تیرے خواب کی تعبیر ہے
تیری تصویرِ خودی اسلام کی تفسیر ہے
عِلم و حکمت کی وہ شمعیں جو فروزاں تُو نے کیں
بزم کا ہر گوشہ اب تک اُن سے پُر تنویر ہے

تیری تعلیمات سے روشن ہوئے قلب و نظر
ذہن کی گہرائیوں میں اُترے قرآنی اثر
زندگی کی راہ میں تُو نے دکھائے وہ مقام
رہروانِ راہِ منزل کو نہ تھی جن کی خبر

تُو ہے مِلّت کا شناسا آشنائے راز ہے
فکر تیرا فیضِ فطرت سے فلک پرداز ہے
تیرے نغماتِ حیات افروز کے مضراب سے
آج اپنی زندگی کا پُر نوا یہ ساز ہے

قوم کو تُو نے عطا کی اِک حیاتِ جاوداں
یاد تیری، ذکر تیرا، ہے قرارِ قلب و جاں
جس چمن کو تُو نے سینچا تھا جگر کے خون سے
اُس چمن کا ہر گُلِ تر آج ہے عنبر فشاں

حافظ مظہرالدین

اقبالؒ

رفت از ما مسند آرائے علوم — مرشدِ عرفاں، مریدِ پیرِ رُوم
کاشفِ سرِّ خودی، دانائے راز — قاسمِ سرمایۂ سوز و گداز
باخدا، بیباک، مانندِ کلیم — سوختے چوں پروانہ بر شمعِ یتیم
کوثر و تسنیم در مینائے اُو — می دہد کیفِ خودی صہبائے اُو
از چراغِ فکرِ شُد گیتی فروز — کوکبش راہے دہد شب را بروز
بادۂ خم خانہ اش، جانے دہد — آفتابش، نورِ ایمانے دہد
حکمتِ قرآں بیاموزد مرا — ز آتشِ عشقِ نبیؐ سوزد مرا
در لباسِ شعر آمد گاہ گاہ — تا کند شرحِ رموزِ لاالٰہ
نغمہ سنجی ہائے او جانم ربود — دفترِ سربستہ را بر من کشود
شعرِ او چوں ساز و سامانم شدہ — عشق و مستی دین و ایمانم شدہ
از سرودش در تب و تابم ہنوز — یم بداماں رُو بیلا بم ہنوز
با مسلماں گفت۔ تو ہستی نہنگ — وارہاں خود را از گرگانِ فرنگ
ایں جہاں ناید بمُسلم سازگار — خیز و از قوّت دگر نقشے برآر
باش دریا و بطوفانش نشیں — گوہرِ مقصود از موجش گزیں
حملہ آور شو بہ ایمانِ حیات — ریزہ ریزہ کُن بُتانِ سومنات
تو نہ منّت کشِ خیل و سپاہ — برگ و سازِ تست سوزِ لاالٰہ

از فقیرے بے نوا پندے پذیر
رو اُ طریقِ خواجۂ کونین گیر

راحت سرحدی

یومِ اقبالؒ

اے سرِ اقبال رہنمائے حیات
تیری بانگِ قلم نوائے حیات

تُو نے اہلِ وطن کو سکھلائے
قابلِ غور نکتہ ہائے حیات

پنجۂ موت کے اسیروں کو
کر دیا تو نے آشنائے حیات

تیرے نغموں کی نعمتِ الوان
اہلِ عالم کو ہے غذائے حیات

خوانِ معنی پہ میزباں ہو کر
دی ترے نطق نے صلائے حیات

ہاں چمنِ زار پاک میں ہے تُو
عندلیبِ سخن سرائے حیات

تیری رائے منیر وہ خورشید
منتشر جس سے ہو ضیائے حیات

جاں فزا نغمہ دمِ نفس تیرا
اے مسیحائے قم سرائے حیات

تو سِکھاتا ہے اس دبستاں میں
سبقِ معرفت فزائے حیات

تجھ کو بخشا گیا وہ زندہ ضمیر
جس میں مضمر ہے اقتضائے حیات

جسم پر شاہدِ سخن کے ترے
چست آئی ہے کیا قبائے حیات

خضر و عیسیٰ بھی آئے سائے میں
لے کے پہنچا جو تو نوائے حیات

آں ہمائی کہ ہر زماں باشد
گرم پرواز در ہوائے حیات

تیری جب تک نہ تھی ضیا پاشی
تیرہ و تار تھی فضائے حیات

دہر ہے کارواں سرا راحتؔ
نظمِ اقبال ہے درائے حیات

راغب مرادآبادی

بزمِ سخن پیکر ترا

پردے رُخِ حکمت سے اٹھائے تُو نے
جلوے خرد افروز دکھائے تُو نے
سرچشمۂ اقبال ہے تیرا پیغام
اسرارِ خودی ہمیں بتائے تُو نے

آیا تجھے یاد مرغزارِ کشمیر؟
بھُولے تو نہیں نقش و نگارِ کشمیر؟
کیا عالمِ ارواح میں بھی اے اقبالؒ
پہنچی کبھی آہِ دل فگارِ کشمیر؟

تابندہ و پائندہ ہے پیغام ترا
ہر شعر ہے عکسِ رخِ الہام ترا
اے ساقیٔ دانائے خمستانِ خودی!
ہے رُوح و روانِ میکشاں نام ترا

اقلیمِ خودی و حق پسندی بخشید
شادیم کہ جنسِ عقلمندی بخشید
نازیم کہ آں شاعرِ مشرق، اقبال
ما را بہمہ اوج و سربلندی بخشید

رفعت سلطانہ

حضرت علامہ اقبالؒ

محرمِ معنیٔ کتابِ جلیل
عاشقِ وارثِ دیارِ خلیل

وسعتِ آسماں میں اک سورج
ظلمتِ بیکراں میں اِک قندیل

آبروئے سخنورانِ جہاں
ارضِ مشرق کا ایک بطلِ جلیل

طُور پر جیسے جلوۂ یزداں
ذہن پر اُس کے فکر کی تنزیل

اُس کے اشعار وجہِ عزم وعمل
اُس کا پیغام زندگی کی دلیل

خُفتہ ماحول میں نوا اُس کی
جیسے محشر میں صُورِ اسرافیل

ایک فرزندِ عالمِ اسلام
جس کا ہمسر نہ کوئی جس کا عدیل

اُس کی تدبیر نے شفا بخشی
ورنہ اک عمر سے تھی قوم علیل

حوصلے بڑھ گئے نحیفوں کے
گر پڑی نخوت و حَشم کی فصیل

مثلِ خورشید سربلند ہوئے
جو زمانے کی آنکھ میں تھے ذلیل

کوئی صاحب، کوئی گدا نہ رہا
کوئی مجبور و بے نوا نہ رہا

یُوں دیا درسِ زندگی اُس نے
دی اندھیروں کو روشنی اُس نے

نام اِسلام کا بلند کیا
توڑ کر سحرِ سامری اُس نے

فقرِ شاہنشہی سے برتر ہے
دی یہ دُنیا کو آگہی اُس نے

توڑ ڈالا فسونِ افلاطون
دے کے تعلیم حیدریؑ اُس نے

جبر جس سے فروغ پاتا ہو
کی ہر اُس بات کی نفی اُس نے

ولولہ کشفِ ذات کا دے کر
ختم کی رسمِ بندگی اُس نے

بے خودوں کو بنا دیا ہشیار
بخش کر جذبۂ خودی اُس نے

دی کبوتر کو جرأتِ شاہیں
دی غلاموں کو خواجگی اُس نے

فلسفی بھی، فقیر و شاعر بھی
زیست کس کس ادا سے کی اُس نے

اتنے احساں بھلا نہیں سکتا
وقت اُس کو مٹا نہیں سکتا

رئیس امروہوی

نذرِ اقبالؒ

جلوۂ گُل سرِ دیوارِ خزاں ہیں ہم لوگ
لشکرِ عہدِ بہاراں کا نشاں ہیں ہم لوگ

سفرِ شوق کی منزل نہ ابد ہے نہ ازل
وقت کی نبض ہے ساکن کہ رواں ہیں ہم لوگ

کیوں نہ ہو سینۂ آدم میں حرارت ہم سے
شعلہ آسا، تہِ خاکسترِ جاں ہیں ہم لوگ

فضائے دہر بہت تنگ ہے فغاں کیلئے
نئی سحر کو پکارو نئی اذاں کے لیے

جو غازیوں کی تگ و تاز سے بلند ہوئی
وہ خاک سُرمۂ عظمت ہے آسماں کیلئے

ہر ایک لمحہ حیاتِ دوام کا مژدہ
شہیدِ معرکۂ عشقِ جاوداں کیلئے

بہارِ غنچہ و گل سے فریب کیوں کھائیں
ہمارا خون ہے تزئینِ گلستاں کیلئے

مجاہدوں کو دیا جبرئیل نے یہ پیام
قبائے جسم ضروری نہیں ہے جاں کیلئے

ہم امتحانِ قضا سے کبھی نہیں ڈرتے
ہمیں قضا نے بنایا ہے امتحاں کیلئے

رئیسؔ کب سے نگاہِ جہاں ہے چشم براہ — کسی سپاہِ ظفر مند و کامراں کیلئے

حسنِ شفق و رنگِ حنا اور ہی کچھ ہے
اور سُرخیٔ خونِ شُہدا اور ہی کچھ ہے

اس سال نہیں بیمِ خزاں لشکرِ گل کو — اِس سال گلستاں کی ہَوا، اور ہی کچھ ہے
مومن کی مناجات فلک گیر ہے لیکن — مردانِ مجاہد کی دُعا اور ہی کچھ ہے
ہنگامۂ ہستی بھی عجب چیز ہے لیکن — ہنگامۂ میدانِ وغا اور ہی کچھ ہے
جینا ہی نہیں کشمکشِ زیست کا مقصود — ذوقِ اجل و شوقِ بقا اور ہی کچھ ہے
اے سجدہ گزارِ حرمِ عظمت و اجلال — سجدہ۔ تہہِ شمشیرِ فنا اور ہی کچھ ہے

اس بار ہیں کچھ اور دل و جاں کے تقاضے
اس بار، رئیسؔ اپنی نوا اور ہی کچھ ہے

زاھد الحسن زاھدؔ

بیادِ اقبال

حضرتِ اقبالؒ! اے اقبالمند
تیرے پہلو میں تھا قلبِ دردمند

تُو مفکّر رہبرِ عالی دماغ
کر گیا روشن بصیرت کے چراغ

اے کہ تُو تھا فخرِ دنیائے ادب
شاعری تیری نہیں ہے بے سبب

تُو خود اپنی ذات میں تھا انجمن
فکر و فن کو تُو نے بخشا بانکپن

چھا رہی تھیں چار سُو تاریکیاں
تُو نے شعروں سے کیا روشن جہاں

تُو نے شعروں سے جگایا قوم کو
دین کا رستہ دکھایا قوم کو

سیّدِ بطحاؐ سے اُلفت تھی تجھے
اُنؐ کی اُمّت سے محبّت تھی تجھے

تیرا دل حُبِّ وطن سے چُور تھا
بادۂ اسلام سے مخمور تھا

رُوح ہر دل میں نرالی پھونک دی
بخش دی ان کو انوکھی زندگی

تیری حکمت اور فراست کا صلہ
عطیہ ہے سرزمینِ پاک کا

فلسفہ اور شاعری تیرے گہر
ہر دلِ انساں پہ کرتے ہیں اثر

تیرا "شاہیں" اور ترا لفظِ "خودی"
بن گئے ہیں زیست کے عنواں ہی

تیری ہستی قابلِ صد آفریں
یہ وطن ہے تیرا اک خوابِ حسیں

مرتبہ تیرا بھلا سکتے نہیں
تجھ سا شاعر آج پا سکتے نہیں

مشرق و مغرب میں تیرا نام ہے
فیض تیری شاعری کا عام ہے

ہے دلوں میں تیرا اتنا احترام
سر جھکا دیتے ہیں سُن کے تیرا نام

تُو نے پائی ہے حیاتِ جاوداں
یاد میں غمگین ہیں تیری جہاں

اے مجاہد قوم کے مردِ جری
رحمتیں نازل ہوں تُربت پر تری

تیرے پہلو میں تھا قلبِ دردمند حضرتِ اقبالؒ اے اقبالمند

زیبا درانی

اقبالؒ

ہُوا اہلِ دہر میں تجھ سا کب کوئی فلسفے کا مزاج داں
کہ درِ یقیں پہ پڑا ہوا ہے وہ بے نیاز ہراستاں

نہ ڈرا جلالِ خرد سے تو کہ فدائے فقر تھا دل ترا
ترے حوصلے کی وہ وسعتیں کہ ورائے ارض و سما رہا

یہ ترے خلوص کا فیض تھا کہ ملیں خودی کو یہ دولتیں
نہ بشر وہ پہلا بشر رہا، نہ وہ ذلتیں نہ وہ دقتیں

تھی حریفِ چشم تری خودی، تجھے راس آئی قلندری
ترے سر پہ تاجِ جنوں رہا، ملی آبرو کی سکندری

گلۂ وفائے جفا نما، کبھی شکوہ ربِّ نعیم کا
گیا دام و دانہ سے تو گزر تجھے آسرا تھا کریم کا

ترا درس شاملِ وعظ ہے ترا شعر زینتِ بزم ہے
ترے ولولے، ترے اُمنگیں ترا جوش رونقِ رزم ہے

میں ہوں مفتخر تری ذات پر تُو ہے ارضِ پاک کی آبرو
تری آبرو، مری آبرو، تری آرزو، مری آرزو

کبھی جا کے تیرے مزار پر کوئی زیبا اتنا پیام دے
کہ خودی فسردہ حزیں سی ہے کبھی آ کے اس کی خبر تو لے

سلیم فاروقی

اقبالؒ

شاعرِ بے مثال تھا اقبال — مردِ حق، مردِ باصفا اقبالؒ
اِک نیا رنگ شاعری کو دیا — فن کی عظمت بڑھا گیا اقبالؒ
اپنی ملّت کا غمگسار تھا وہ — اس کا ہمدرد وہم نوا اقبالؒ
کیا وہ بانگِ درا کے نغمے تھے — جو جہاں کو سُنا گیا اقبالؒ
معرفت کے گہر تھے شعروں میں — تھا خودی کا اِک آئینہ اقبالؒ
نقشِ ضربِ کلیم کے اے دوست — ذہن و دل پر بٹھا گیا اقبالؒ
اُس کی لَے میں حیاتِ نَو کا اثر — نکتہ جُو، رمز آشنا اقبالؒ
جُرعہِ انگبیں، زبورِ عجم — سب کو سرمست کر گیا اقبالؒ
کِتنا دلکش تھا ارمغانِ حجاز — اپنی ملّت کو دے گیا اقبالؒ
رُوح پرور تھا اس کا ایک ایک شعر — تھا بھی تلمیذِ کبریا اقبالؒ
جاگ اُٹھا سُرورِ محفل کا — ہو گیا جب غزل سرا اقبالؒ
گوئٹے برگساں کا عکسِ لطیف — پیرِ رُومی کا مُدّعا اقبالؒ
کیسے اسرار اور رموز تھے وہ — شعر میں جو سمو گیا اقبالؒ

اُس کے لہجے میں تھی عجب تاثیر باکمال اپنے فن میں تھا اقبالؒ
اُس کے اشعار تھے خودی کے جام پے بہ پے جو لنڈھا گیا اقبالؒ
زندگی کے رموز سے آگاہ فلسفی تھا، حکیم تھا، اقبالؒ
قلب گنجینۂ علوم و فنون فکر کا اپنی منتہا اقبالؒ
اُس کا پیغام امن کی تحریک بربطِ دل کی خوش نوا اقبالؒ
ڈوب کر من میں شعر کہتا تھا دل کے تاروں کو چھیڑتا اقبالؒ
صوفی و عالم و سیاستدان کیا کہیں کیا تھا کیا نہ تھا اقبالؒ
اُس کے نغمے سرودِ ربّانی شارحِ دینِ مصطفےٰ اقبالؒ
اُس نے مُلّائیت کو للکارا صوفیت سے کھنچا رہا اقبالؒ
تھے پُجاری عجم کے یہ دونوں اپنے شعروں میں لکھ گیا اقبالؒ
ہر نفس اس کا حُرّیت آموز پیشِ باطل ڈٹا رہا اقبالؒ

دعوتِ غور و فکر دیں جو سلیم
ایسے موتی لٹا گیا اقبالؒ

سلیم ہاشمی

جب دیا جامِ شرابِ یثربی اقبال نے

خاکِ پاکستاں کو بخشی روشنی اقبال نے
دی زمیں کو چرخ کی تابندگی اقبال نے

موت کی تاریکیوں کو پھر کہاں ملتی پناہ
جب کیا روشن چراغِ زندگی اقبال نے

اے جمال الدین افغانی مبارک ہو تجھے
ڈھونڈ لی تعبیر تیرے خواب کی اقبال نے

سلسبیل و کوثر و تسنیم بھی آئے نہ راس
جب دیا جامِ شرابِ یثربی اقبال نے

اس کا اک اک گھونٹ ہے فرعون پر "ضربِ کلیم"
تازہ کر دی راہ و رسمِ موسوی اقبال نے

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستے ہیں ہم
ہے دکھائی زندگی ہی زندگی اقبال نے

جس سے رازی اور بوسینا کے ناخن رہ گئے
حل کیا وہ عقدہ کس نے؟ فلسفی اقبال نے

موت کی افیون دی تھی ہم کو سر ٹیگور نے
اور پلوائی شرابِ زندگی اقبال نے

"آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک"
جب کیا ہے پیدا خورشیدِ نوی اقبال نے

آج اعلان اس حقیقت کا زمانے بھر میں ہے
جو سنائی تھی باندازِ خفی اقبال نے

"بالِ جبریلِ امیں کی سرسراہٹ جس میں ہے"
ہم کو ایسی ہے سنائی راگنی اقبال نے

"آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا"
اس طرح الٹی بساطِ زندگی اقبال نے

بیخودی و بےحسی و بےکسی جاتی رہی
جب پلائی ہم کو صہبائے خودی اقبال نے

جس سے ہو سکتا ہے یہ سارا جہاں شیرازہ بند
وہ عطا کی ہے ہمیں آشفتگی اقبال نے

ہم ہیں پاکستاں کے پاکستاں ہمارا ہے سلیم
مانتے ہیں وہ جو ہم سے تھی کہی اقبال نے

سیف الدین سیفؔ

اقبالؔ سے

کسے معلوم تھا یہ دن بھی ہیں آنے والے
اے سرِ حشر ہمیں چھوڑ کے جانے والے

حکم دیتے ہیں کہ تم آہ بلب بیٹھ رہو
نام لے لے کے ترا شور مچانے والے

مری فریاد بھی سُننے کے روادار نہیں
سرِ منبر ترے اشعار سنانے والے

یہ وہی مدفنِ اسلاف کے سوداگر ہیں
چادرِ گُل تری تُربت پہ چڑھانے والے

اب نئے رنگ میں آئے ہیں مجاور بن کر
سال کے سال ترا عُرس منانے والے

اب مری "شامِ غریباں" پہ نظر رکھتے ہیں
دولتِ صُبحِ وطن مجھ سے چھڑانے والے

ان کے بس میں ہو تو قندیلِ حرم تک نہ بچے
شمع لے لے کے تری قبر پہ آنے والے

خطِ پیشانیٔ مغرب یہ پتہ دیتا ہے
ابھی مشرق میں کئی دور ہیں آنے والے

پھر ترا قافلہ ہے منتظرِ بانگِ رحیل
پھر اسی دور میں بیٹھے ہیں زمانے والے

پھر وہی شعلۂ گفتار عطا کر ہم کو
دلِ ہر ذرّہ میں اک آگ لگانے والے

سیف الدّین سیفؔ

دو نظمیں

اقبالؒ سے

(۱)

دیکھ اے مردِ قلندر اپنی مِلّت کا مآل،
دیکھ مِلّت کے نگہداروں نے ہم سے کیا کیا
قافلے ویرانیِ ظلمت میں گھبراتے ہوئے
زندگی کے شمع برداروں نے ہم سے کیا کیا
کل ہمارے حال پر جو اشک برساتے رہے
آج اِن بے درد غمخواروں نے ہم سے کیا کیا
کل تو خیر اک اجنبی کا سحر تھا، اعجاز تھا
آج بھی زنداں کی دیواروں نے ہم سے کیا کیا
میکدے والوں سے نفرت محتسب سے دوستی
تیرے اُٹھتے ہی قدح خواروں نے ہم سے کیا کیا

ہم نے گلشن میں خزاں کے دن گزارے کس طرح
اور بہار آئی تو گلزاروں نے ہم سے کیا کیا
اب ہمیں اغیار کی بیداد کیا یاد آئے گی
دوستوں نے کیا کیا یاروں نے ہم سے کیا کیا

---

(۲)

اے مردِ حق وہ شوخیٔ تنویر کیا ہوئی
تُو نے کوئی چراغ جلایا ضرور تھا
سازِ جنوں کے تار تڑپ کر اُلجھ گئے
اہلِ یقیں نے ساز اُٹھایا ضرور تھا
پھر یورشِ ہجومِ بلا سے اُجڑ گیا
تُو نے دیارِ شوق بسایا ضرور تھا
ہاں مہرہ بازِ غرب نئی چال گیا
اک انقلاب دہر میں آیا ضرور تھا

اقبالؒ

شرقی بن شائق

فطرت کی موج جب بھی کرم آزما ہوئی
فرشِ زمیں کو رفعتِ گردوں عطا ہوئی

نکہت چکاں ہوئے ہیں کچھ ایسے حسیں پھول
شاداب جن سے باغِ جہاں کی ہوا ہوئی

گل ہے قلندروں سے کھلا ستر کائنات
درویش کی نظر کبھی کشور کشا ہوئی

تاریخ کے اُفق پہ بھی اُبھرے کچھ آفتاب
جن کی سحر طراز کرن دیرپا ہوئی

اِک مردِ مجتہد کے فیضِ دوام سے
ہنگامہ خیز محفلِ صبح و مسا ہوئی

بُجھتے ہوئے چراغ مہ و مہر بن گئے
یوں مستنیر فکر و نظر کی فضا ہوئی

اس مردِ مجتہد نے شعورِ سفر دیا
اس کی صدائے دل تھی جو بانگِ درا ہوئی

درماندہ پست قوم کو اقبال مل گیا
ملّت کی رُوح خفتہ خدا آشنا ہوئی

تھی ابتدا یہ خطۂ نوجبں کے فکر کی
اس فکر کی بہت ہی حسیں انتہا ہوئی

وہ مردِ مجتہد ہمیں بیدار کر گیا
کانٹے کو پھول، پھول کو تلوار کر گیا

شرقی بن شائق

علامہ اقبال

چراغِ دل کو جلایا ہے زندگی کے لئے
یہ اہتمام کیا تُو نے روشنی کے لئے
تری ہی ذہنی بصیرت سے خود شناس ہُوا
ترس رہا تھا مسلمان خود آگہی کے لئے
سحر پرست نہ کیوں تیرے بادہ کش ہوتے
کہ تیرا بادہ تھا ترکِ غنودگی کے لئے
دِکھا گیا ہے عمل کے بھی راستے ہم کو
ترا قلم کہ تھا آدابِ شاعری کے لئے
ترا ہی سجدۂ دل تھا دلوں کے کعبہ میں
تری جبیں تھی کسی طرفہ بندگی کے لئے

•

بساطِ فکر پہ تیرا جواب بِل نہ سکا
بہت سے لوگ اُٹھے یوں تو رہبری کے لئے
ہے تیرے بعد یہ عالم جہانِ ہستی کا
قدم قدم پہ اندھیرے ہیں آدمی کے لئے
وہ پھول تیرے تصوّر کی جس میں خوشبو ہے
تڑپ رہا ہے ابھی رنگِ دائمی کے لئے
وہ ایک شاخ جو بنیاد ہے نشیمن کی
پکارتی ہے بہارِ شگفتگی کے لئے
اُلجھ پڑے ہیں یہ تخریب کار کیا کہیئے
کہ ہم نے ہاتھ بڑھایا تھا دوستی کے لئے

دیارِ پاک کے اقبال کو خدا رکھے
کہ یہ دیار ہے تعمیرِ واقعی کے لئے

شریف کنجاہی

یومِ اقبال پر

دھوم ہے چار طرف آج ہے یومِ اقبال
شاعرِ قوم کے گُن گائے گی قومِ اقبال

آج جلسوں میں سخن گوئی ہے تقریریں ہیں
اور اقبال کے ہر نکتہ کی تفسیریں ہیں

اُس نے یہ کام کِیا قوم کا یہ کام کیا
اپنی تصنیفوں میں اسلام کا بھی نام کیا

اُس نے یہ لکھا ہے یہ لِکھا ہے یہ لکھا ہے
اس کی ہر بات میں ہر قول میں اِک فلسفہ ہے

انہیں الفاظ کی تکرار کا اعادہ ہوگا
اپنی اُلفت ہی کا اظہار زیادہ ہوگا

ہوگا مرغوبِ اجماع کا مرقع دِل کش
کتنے ہر بات پہ بے کار کریں گے عش عش

نہ کوئی سمجھے گا کیا کہہ گیا کہنے والا
تالیاں گونجیں گی جب چُپ ہُوا کہنے والا

جو کچھ ہوگا یہی ہوگا یا کچھ اس سے بڑھکر؟
اور پھر خیر سے ہو جائے گا جلسہ آخر

کون سمجھے گا بھلا تقریروں کے ماحصل کو
شورشِ موج کے معنوں سے غرض ساحل کو

دوستو اس سخنِ تلخ سے گھبراؤ نہیں
سازِ عشرت میں ذرا سُن لو یہ آوازِ حزیں

دن منانے کا یہ مطلب نہیں جو تم سمجھے
آتے دو باتیں سُنیں بزم میں اور اُٹھ بیٹھے

تم جو اقبال کا ہو یوم منانے آئے
اس کی تعریف میں کچھ کہنے سنانے آئے

اور ان بیکسوں ناداروں کا کچھ پاس نہیں
ان کے حالات کا کیوں آپ کو احساس نہیں

جن کے افلاس نے جوہر ہی دبا رکھے ہیں
راکھ کے ڈھیر تلے انگارے چھپا رکھے ہیں

جن کو اتنی بھی اجازت نہ دی ناداری نے
بام پر چڑھنے کے وہ دیکھ ہی سکتے زینے

جن کو سرمایہ پرستی نے مٹا رکھا ہے
بھیک کے واسطے رستوں پہ بٹھا رکھا ہے

ان میں کتنے ہی ہیں وہ جن کے اُجاگر ہیں دماغ
تربیت ہو تو بنیں قوم کے وہ چشم و چراغ

یہی ننگے یہی بھوکے یہی خستہ احوال
ان میں کیا جانیے کتنے ہیں محمد اقبال

قوم کی ناؤ کو بڑھ چڑھ کے جو کھے سکتے ہیں
داد طوفاں سے گرداب سے لے سکتے ہیں

ملک کی نبضوں میں خوں بن کے جو چل سکتے ہیں
وہ سنبھل جائیں تو ہم سارے سنبھل سکتے ہیں

اب میں حیراں ہوں کہ اک پھول کے نغمے گاؤں
دستِ گلچیں کی جفا بھول کے نغمے گاؤں

یا انہیں روؤں خزاں جن پہ ستم ڈھاتی ہے
پتیاں راہوں میں بکھراتی چلی جاتی ہے

شورش کاشمیری

اقبالؒ

یہ راز تیری نواؤں سے آشکارا ہے
کہ تُو نے گیسوئے تاریخ کو سنوارا ہے

تری نوا سے حرم کے چراغ روشن ہیں
تیرے قلم سے دلِ اہرمن دو پارا ہے

بلند تر ہے ہمالہ سے تیری فکرِ بلند
فرازِ مہر سے اونچا ترا ستارا ہے

ہمارے خوف سے رعشہ ہے قلبِ فردا میں
ہمیں نے چہرۂ "امروز" کو نکھارا ہے

ہمارے ہاتھ بڑھے ہیں کلاہِ قیصر تک
ہمارے پاؤں کی ٹھوکر میں فرّ دارا ہے

ہر ایک معرکۂ امتحاں سے گذرے ہیں
ہر ایک ضربِ حوادث ہمیں گوارا ہے

ہماری قوتِ خیبر شکن کا جاہ و جلال
ہر اک حریف کے شیشے کو سنگِ خارا ہے

اس ایک راہ میں غلطاں ہیں خستگانِ وفا
اس ایک راہ میں ہر موج بھی کنارا ہے

ترے چمن کو شکایت ہے باغبانوں سے
کہوں، تو میرے لئے دار کا اشارا ہے

حضور! آپ کی تربت ہے مرجعِ ملت
حضور! آپ کو اسلام نے پکارا ہے

شورش کاشمیری

حضورِ اقبالؒ میں

اب جو شمشیر ہی ٹھہری ہے تو شمشیر سہی!
اِک نئے دَور کی اِس طور سے تعمیر سہی

خانقاہوں میں اگر صاحبِ احوال نہیں
بُت کدوں ہی سے کوئی نعرۂ تکبیر سہی

عیش خانوں میں چراغِ گل و لالہ روشن
بے زبانوں کے لیے نالۂ شب گیر سہی

خود فروشی کے عوض قصرِ شہی کی دہلیز
خود شناسی کا صِلہ حلقۂ زنجیر سہی

شہر یاروں کے دلآویز شبستانوں میں
کوئی عصمت کسی عنوان سے نخچیر سہی

ہم انھیں ان کے خدوخال سے پہچانتے ہیں
ہیں یہ کہنے کو جہانگیر، جہانگیر سہی

ہم نشینانِ زلیخا سے کوئی ساعتِ شب؟
کوئی مانیؔ کی اُتاری ہوئی تصویر سہی

صحبتِ مرشدِ رُومی سے گریزاں ہو کر
یومِ اقبال کی تقریب پہ تقریر سہی

مَیں نے زندانوں کو اپنا کے بہت دیکھا ہے
اور اِک بار شکارِ فلکِ پیر سہی

شگفتہ صبا جعفری

مردِ قلندر

قوم کا اقبال ، وہ مردِ قلندر با صفا
جس کا ہر اک شعر بھرِ کارواں بانگِ درا
ہر گھڑی رہتا تھا جس کا وقت کی نبضوں پہ ہاتھ
جس نے دی شاہیں بچوں کو کرگس سے نجات
آسکا نہ پنجۂ اغیار میں جس کا ضمیر
تھی پیامِ زندگی جس کی نوائے دل پذیر
جس کی نظروں میں ہر اک ذرۂ وطن کا تھا قمر
جامِ گُل جس کا تھا بھاری ساغرِ افرنگ پر
ہر کلی کو ہمکنارِ تازگی جس نے کیا
تیرگی کو آشنائے روشنی جس نے کیا
سر زمینِ پاک کے ذرّوں میں جس کا خون ہے
لفظِ پاکستان جس کی فکر کا مرہون ہے
جس کے دل میں موجزن تھا عشقِ ختم المرسلینؐ
دی مسلمانوں کو جس نے گرمئ سوزِ یقیں
جس کے ہاتھوں میں مئے جوشِ خودی کا جام تھا
جس کی حق گوئی پہ باطل لرزہ براندام تھا
نقش جس کی یاد کا دل سے اتر سکتا نہیں
اے صباؔ اقبال زندہ ہے وہ مر سکتا نہیں

سید عبداللہ جعفری صغیر

"مطربِ آتش نفس"

اقبال کی آواز میں جبریل نغمہ بار تھا
نغمہ نہ تھا اقبال کا احساس کی قندیل تھا
دیتا تھا درسِ بے خودی قرآن کے انداز میں
دیتا رہا دیتا گیا سب کو اخوت کا سبق
سینے میں قلبِ مضطرب فطرت نے بخشا تھا اُسے

ویرانۂ اسلام پھر صد رشکِ گلزار تھا
یا لحن تھا داؤد کا یا صورِ اسرافیل تھا
پنہاں تھے اسرارِ خودی علم و عمل کے ساز میں
اسلامیوں کو دے گیا صدق و محبت کا سبق
"تعمیرِ ملت" کے لئے قدرت نے بھیجا تھا اُسے

"وہ مطربِ آتش نفس" فرض اپنا پورا کر گیا
اور سرمدی نغمات سے مسلم کا دامن بھر گیا

سید لیاقت صہبائی

بیادِ حکیم الامّت

علامّہ اقبالؒ

مایوسیاں تھیں دل کے بیاباں میں خیمہ زن
احساس دم بخود تھا ، اُمیدیں گھٹی گھٹی
تھا صرصرِ فرنگ سے پامال ہر چمن
آسودگی کی شمعیں تھیں یکسر بجھی بجھی
ماتم گرِ خودی تھی یہ مشرق کی انجمن
تھی تمکنت بہارِ وطن کی لُٹی لُٹی
از بسکہ بوستانِ بصیرت تھا بے سمن
خمیازۂ خودی کی چبھن تھی اُڑی اُڑی

ناگاہ ایک مردِ خوش اندیش و باصفا
شعر و ادب کی کاہکشاں لے کے آگیا
ابنائے ملک و قوم کے غم دیکھتا ہوا
ایمائے فکر و عزمِ جواں لے کے آگیا
کرنے کو انکشاف مزاجِ حیات کا
قدّوسی زمزموں کی زباں لے کے آگیا
اہلِ وطن کی تاب و تب و روحِ ارتقاء
سازِ نوا میں سوزِ اذاں لے کے آگیا

غم کے حصارِ موت سے دِل کو نکالتا
درماندہ کاروانِ خرد کو سنبھالتا
مُسلم کو ذوقِ فقر و غنا سے اُجالتا
فکر و نظر کو چشمۂ عرفاں میں ڈھالتا

خوابیدگی کو سوزِ سحر کار دے گیا
بھٹکے ہوؤں کو منزلِ معیار دے گیا
جامِ سخن میں بادۂ اسرار دے گیا
مومن دِلوں کو خُلد کا پندار دے گیا

اُس کا سخن تھا یا دمِ سازینۂ بہار
برفایا اُس نے قوم کے احساس کا وقار
مشرق کو اُس نے بخشا جنوں خیز اعتبار
اُس کی نوائے راز ہے سر رشتۂ قرار

عذرائے زندگی کی جبیں تمتما گئی
ابنائے ایشیا کی خودی کسمسا گئی
تہذیبِ مغربی کی فضا سنسنا گئی
اسلامیوں کی رُوح کو جو جگمگا گئی

سید لیاقت صہبائی

بیادگارِ حکیم الامّت

(۱)

محصور تھی حیات حریمِ فرنگ میں
مشرق تھا اور غم کی فضائے بسیط تھی
تقدیرِ ایشیا پہ فلاکت محیط تھی
آہنگِ بیکسی تھا تمدّن کے چنگ میں

(۲)

آزادیٔ مقال و مذاہب کے باوجود
مجبورِ ضبط، مدرسۂ فہم و فکر تھا
تہذیبِ ایشیا کا فسوں تھا اُڑا اُڑا
پیشانیٔ عمل پہ غلامی کی تھی نمود

(۳)

گرچہ نوائے حالی و اکبر کے فیض سے
جلوہ طراز، محفلِ فکر و شعور تھی
لیکن دِلوں کو حاجتِ سوز و سرور تھی
جن میں مچل رہے تھے عزائم کے ہمہمے

(۴)

اس عالمِ تذبذب و بحران و یاس میں
اقبالؒ اُٹھا نغمۂ سوزاں لئے ہوئے
افکار میں حرارتِ ایماں لئے ہوئے
عزمِ جواں لئے دلِ فطرت شناس میں

(۵)

آفاقِ شاعری پہ یہ خورشیدِ سحر تاب
اُبھرا کچھ اس طرح کہ اُبھرتا چلا گیا
شیرازۂ جمود بکھرتا چلا گیا
پھر گلستاں پہ کوند گیا رامشِ شباب

(۶)

اس کا کلام تھا کہ تھا سازینۂ بہار
تہذیبِ مغربی کی فضا سنسنا گئی
عذرائے زندگی کی جبیں تمتما گئی
ہر قلب میں لپکتے گئے عزم کے شرار

(۷)

اسلامیوں کو بخشا اُسی نے وہ سوز و ساز
جو مشعلِ بصیرت و فکر و دماغ ہے
روشن دلوں میں یادوں کا اس کی چراغ ہے
ہیں اُس کے فیضِ شعر سے ہم محرمانِ راز

دل جنوں حیات لذتِ ادراک پائے گی   اقبالؒ کی صدا دلِ زندہ سے آئے گی

ضیاالحسن ضیا

شاعرِ مشرق

اے نقیبِ ارتقاء، اے محرمِ رازِ حیات
اے حکیمِ مشرق، اے دانائے رمزِ کائنات

اے شناسائے مقاماتِ خودی و آگہی،
تُو نے بخشا قوم کو سرمایۂ عزم و ثبات

تُو نے محکومی کے ظلمت آفریں ماحول میں
اپنے نغموں سے درخشاں کی وہ قندیلِ حیات

جس کی تابانی نے بینائی کو خیرہ کر دیا

شاعرِ مشرق، ترے حسنِ تکلّم پر نثار،
بھر دیئے جس نے رگ و پے میں نئے برق و شرار

جذبۂ ایثار نے، راہِ طلب کو پا لیا،
جرأتِ بیباک نے، توڑا غرورِ شہریار

دورِ محکومی کے ذلّت خیز سائے ڈھل گئے
آ گئے دامِ قضا میں ظلمتوں کے برگ و بار

زیست کے ماتھے پہ آزادی پر افشاں ہو گئی

شاعرِ ملّت، حکیمِ قوم اے روشن ضمیر
اے کہ تیرا مسکنِ اوّل دیارِ کاشمیر

وہ جہانِ رنگ و بُو وہ آبشاروں کا وطن
سرزمینِ کیف و مستی، باغِ رضواں کی نظیر

مرکزِ علم و ہُنر، گہوارۂ حسن و شباب
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر

آج ہے سرمایہ دارانہ سیاست کا شکار

سید عبدالصبور طارق

شاعرِ ملّت سے

تیری ہستی سے ہوا بیدار ملّت کا لہُو
توڑ ڈالے رفتہ رفتہ ساغر و جام و سبُو
دے گیا الفاظ سے شمشیر کا پیغام تُو
قومِ مُردہ کو ملی ہے تیرے دم سے آبرُو

خواب جو کچھ تو نے دیکھا تھا حقیقت بن گیا
یعنی پاکستان اِک زندہ صداقت بن گیا

کر گیا قائدؒ سے پہلے ہی فضا ہموار تُو
ارضِ پاکستان کا ہے اوّلیں معمار تُو
نغمہ ہائے حرّیت سے ہو کے خود سرشار تُو
کر گیا خوابِ گراں سے قوم کو بیدار تُو

تھک کے راہوں میں جو بیٹھے تھے وطن کے نوجواں
پھر بڑھے منزل کی جانب کارواں در کارواں

عظمتِ رفتہ کے مدھّم اور دُھندلے سے نشاں
کر دیئے اپنی نوا سے آنِ واحد میں عیاں
ایسا کچھ باندھا ترے نالوں نے گلشن میں سماں
توڑ کر رکھ دی عنادل نے قفس کی تیلیاں

ولولے سینوں میں پھر انگڑائیاں لینے لگے
تیر و خنجر کی بلائیں نوجواں لینے لگے

تیری ہستی بالیقیں ہے قابلِ صد احترام
تیری شہرت جاوداں ہے اور عظمت ہے دوام
مشعلِ راہِ ہدایت ہے ترا زرّیں کلام
تجھ پہ اے پیغمبرِ شعر و سخن صدہا سلام

قومِ مسلم تا ابد تجھ کو بھلا سکتی نہیں!
یاد تیری سینۂ ملّت سے جا سکتی نہیں!

طالب مجازی

بحضور اقبالؒ

جو سوزِ عشق کا دل میں مقام ہو جائے
سرِ اخلوص کسی کا پیام ہو جائے

سرور و کیف ملا تجھ کو جس کے پینے سے
عطا مجھے بھی اُسی مے کا جام ہو جائے

جو بے نیازِ ثواب و عتاب کر دے مجھے
زہے نصیب وہ حاصل مقام ہو جائے

تجلّیات کی بارش زمینِ قلب پہ ہو!
خیالِ یار کا حاصل دوام ہو جائے

حضورِ یار ادا سجدۂ خلوص کروں
مری حیات اسی میں تمام ہو جائے

قلوبِ رومیؒ و عطارؒ جس سے روشن ہیں
عطا وہ سوز مجھے ہو تو کام ہو جائے

فقیر مسلکِ تسلیم و شوق طالبؔ ہے
قبول اس کا سجود و قیام ہو جائے

طالب حیدری

شہرِ اقبالؒ کی نذر

اے دیارِ حضرتِ اقبال شمعِ انقلاب
اے وطن کی آبرو تاریخ کے تابندہ باب

تیری گلیاں تیرے کوچے تیرے مکتب جاوداں
ارضِ پاکستان میں دائم ترا نام و نشاں

شاعرِ مشرق کا مسکن تو ہے ملّت کا امیر
تیری عظمت کا ہے قائل بالیقیں برّ ِصغیر

تو حکیمِ ایشیا کی فکر سے لبریز ہے
تیرے نغموں کی روانی ولولہ انگیز ہے

منبعِ آزادیٔ جمہور و اسرارِ خودی
وقف ہے اسلام کی خاطر تمہاری زندگی

اہلِ دانش کی نظر میں چارسُو تیرا وقار
محفلِ الفاظ میں تُو ہے معانی کی بہار

اس لئے مقصود ہے تیری ثنا تیری بقا
جشنِ صد سالہ منانا ہے تجھے اقبال کا

ہموطن تیرے مقدر پر بجا نازاں ہیں آج
نظم پر خنداں ہیں تیرے حسن پر شاداں ہیں آج

صاحبِ اقبال ہے تو طالبِ اقبال ہے
تیرے ہر ذرّے میں پنہاں عزم و استقلال ہے

طاہر تونسوی

رُوحِ آدم کا مسیحا

مجھے خبر ہے
یہ میرے وجدان نے کہا ہے
وہ علم کا بے کراں سمندر
وہ عقل و دانش کا اِک شجر ہے
وہ جس کی شاخوں نے فہم و ادراک کو بھی جوشِ جمال بخشا
اور چاندنی کے کنول اُگائے ہیں تیرگی میں
طلسم توڑا ہے ظلمتوں کا
نئی سحر کا شعور اُبھرا کہ اُس نے
ہر لفظ کے معانی بدل دیئے ہیں
مجھے خبر ہے

وہ جس نے "بانگِ درا" کی صورت
خضرِ راہ کا پیام بخشا
جس نے "ضربِ کلیم" دے کر خوابِ غفلت سے یوں جگایا
کہ ہم نے زنجیریں توڑ ڈالیں
مجھے خبر ہے
"پیامِ مشرق" سے جس نے سوزِ دروں کا ہم کو پتہ بتایا
"ارمغانِ حجاز" اُس کا پیام بن کر جہاں میں آئی
پیام جس نے ہمارے ذہنوں میں فلسفے کے
رازِ پیچیدہ کھول ڈالے
مجھے خبر ہے کہ پھر ہماری ہدایتوں کو،
"بالِ جبریل" کا نشانِ عظیم بخشا
مجھے خبر ہے کہ روحِ غالب بھٹک رہی تھی خلا کی بے پایاں وسعتوں میں
زمیں پہ اُتری ———
تو اُس نے اقبالؔ نام پایا

مولانا ظفر علی خان مرحوم

آہ اقبالؒ

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا
اسلام کے سر پہ ہے قیامت کا گزرنا

کلکتہ و کابل میں بچھی ہے صفِ ماتم
اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا

تھا اس کے تخیّل کا فسوں جس نے سکھایا
سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کا اُبھرنا

ہر روز دیا اُس نے مُسلماں کو یہی درس
ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا

ملّت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار کرنا

سید انوار ظہوری

اقبالؒ

اُس کے لبِ اعجاز پہ تھیں ہوش کی باتیں
وہ مردِ قلندر کہ خردمندِ وطن تھا
گزرا ہے دل و ذہن میں اک آگ لگا کر
وہ جس کا سراپائے ہنر شعلہ بدن تھا
تقسیم کیا اُس نے جو پیمانۂ نو سے
وہ بادۂ سرجوش، بہ عنوانِ کہن تھا
تھی ملّتِ خفتہ کے لیے دعوتِ مستی
اشعار میں پوشیدہ، مسیحائی کا فن تھا

خود جس نے خرد سازِ چمن بخش دیا تھا
اک عمر لیا کام اُسی طرزِ جنوں سے
تھی معنی و الفاظ میں، تقدیسِ عمل کی
آگاہ رہا، وہ خبرِ کن فیکوں سے
اوروں سے جداگانہ تخاطب کا قرینہ
بیدار کیا اس نے تکلّم کے فسوں سے
آباد ہوئی خفتہ مزاجوں میں حرارت
جب شعلۂ احساس اُٹھا سوزِ دروں سے

لفظوں میں پروئے تھے لرزتے ہوئے آنسو
ہر دم اُسے اُمّت کے شب و روز کا غم تھا
تھا ساغرِ احساس میں وہ بادۂ نوشیں
جو ساقیٔ کوثر کا ثنا خوانِ کرم تھا
بخشی تھیں اُسے جس نے تفکّر کی ادائیں
وہ درد کہیں اور اگر تھا بھی تو کم تھا

جب دین کو مغرب نے بنایا تھا نشانہ!
اس وقت بھی آگاہِ تب و تابِ حرم تھا

سیّد عاشق علی

اقبالؔ

مثیلِ اقبال کا اب تک یہاں نایاب ہے ساقی
وہی لاہور ہے ساقی وہی پنجاب ہے ساقی

نظر آتا نہیں کوئی قلندر تیری محفل میں
وگرنہ چشمِ ساغر کس لئے پُر آب ہے ساقی

یہ خطہ ایک دن رشکِ گلستاں ہونے والا تھا
سُنا تھا سرزمین اس کی بڑی شاداب ہے ساقی

دیا درسِ عمل بھی اور پروازِ تخیّل بھی
کلامِ اقبال کا مقبولِ شیخ و شاب ہے ساقی

سکھائی خود شناسی بھی خودی بھی خود نمائی بھی
صلائے عام اس کا وردِ احباب ہے ساقی

جمالی بھی جلالی بھی کمالی بھی زوالی بھی
سبھی پہلو بتائے علم کا سیلاب ہے ساقی

کیا تجدید آئینِ مساوات و اخوّت کو!
جسے ہم بھول بیٹھے تھے یہی وہ باب ہے ساقی

وہ بن کر کوہکن اک چشمۂ شیریں بہا لایا
نہ فیض اس سے اٹھائیں جائے استعجاب ہے ساقی

جبیں سائی صنم خانہ میں مسجودِ ملائک کی!
قلندر دیکھتا ہے اور وہ بیتاب ہے ساقی

خودی کو بیچ کر کچھ ہاتھ آجائے معاذ اللہ
یہ سودا غیر طبعی لائقِ جلّاب ہے ساقی

شریکِ محفلِ اقبال ہو کر سُن لیا ہم نے
کلامِ عاشقاں ورنہ بہت کمیاب ہے ساقی

عاطر ہاشمی

رُوحِ اقبالؒ سے

تجھ کو معلوم ہے گو ملّتِ بیضا کا چلن
تجھ کو معلوم ہے رُوٹھی ہوئی قسمت کا وقار
تجھ کو معلوم ہے، آوارہ تخیّل کا مزاج
تُو نے دیکھی ہے ہر اک عارف و غازی کی بہار

شمعِ وحدت بھی جلی، جشنِ چراغاں بھی ہوا
خطّۂ قدس پہ رحمت کے شگوفے پھُوٹے
ماہ و انجم کی نگاہوں میں سکوں لہرایا
یعنی پروردۂ فطرت نے مزے بھی لُوٹے

پھر وہی سازِ کہن پھر وہی مضراب عجم
پھر انہی اونگھتے نغموں پہ فدا اہلِ وطن
پھر وہی غرقہ و سجّادے کے جھگڑے پیہم
پھر وہی حضرتِ ملاؔ کا چہکتا ہُوا فن

آہ ! وہ مردِ حق آگاہ بھی غافل ہی رہا
کچھ نہ سمجھا ترے اس درسِ وفا آئیں کو
قرطبہ کے کھنڈروں کا جو فسانہ نہ سُنے
کیسے جانے گا وہ شہباز کو اور شاہیں کو

دیکھ یہ ہیں ترے احساس کے اوراق تمام
جن پہ بدمست ہواؤں کا ہے قبضہ اب تک
یہ وہ دیباچہ ہے آشفتہ فضاؤں کے حضور
ڈھونڈتا ہی رہا جس کو یدِ بیضا اب تک

اب خروشِ غمِ آلام بگڑ جائے گا
ہست کو بود کی میزان میں للہ نہ تول
ورنہ بڑھ جائے گی کچھ اور گرانبارئ زیست
مصلحت ہے یہی اب آہ کے سینے کو ٹٹول

خواب آلودہ ہیں گلزارِ حرم کے پتّے
اَن گنت شاخوں پہ لہراتی ہے وہ برقِ جحیم
حیف ہے طائرِ افلاک کے افکار ابھی
خاک بھی ہو نہ سکے واقفِ رمزِ تقویم

منظور احسن عباسی

تعارفِ اقبالؒ

اقبال نہ شاعر تھا نہ واعظ تھا نہ فن کار
چاہی کبھی تحسین نہ توقیر نہ پندار

اِک بندۂ مومن تھا خود آگاہ و سحر خیز
دی حق نے اُسے فطرتِ بیدار و نظر تیز

اسرار و رموزِ خودیٔ و بے خودیٔ خلق
وا اُس پہ تھے بے جُبّہ و عمّامہ و بے دلق

وہ قافلۂ دیں کے لئے بانگِ درا تھا
ہموار کنِ پیچ و خمِ راہِ وفا تھا

ایمان کا اخلاق کا تہذیب کا حامی
مغرب کی سیہ بختی کو مشرق کا پیامی

بال و پرِ جبریلِ تخیّل کی وہ پرواز
تھی ضربِ کلیمی کششِ خامہ کی پرواز

تدبیر کی جنگاہ میں تقدیر کا غازی
وہ جس کی زباں تھی عجمی نغمہ حجازی

دنیائے مسافر کا سفرنامۂ جاوید
تاریکیٔ جادہ میں وہ اِک لمعۂ خورشید

اقبال کہ انساں کی خودی کا تھا نگہبان
جو کافرِ طاغوت ہو احسنؔ ہے مسلمان

علیلؔ عیسیٰ خیلوی

اقبالؒ

مشعلِ فکر کچھ اس طرح جلائی تُو نے
رہنماؤں کو نئی راہ دکھائی تُو نے

ناز کیوں کر نہ کریں اہلِ بصیرت تجھ پر
جو نہ صدیوں بنی وہ بات بنائی تُو نے

ڈیرے ڈالے تھے خزاؤں نے چمن میں ہر سُو
موسمِ گُل کی نوید آ کے سُنائی تُو نے

تیرے افکار نے پگھلائی ہے اذہان کی برف
دُھند مایوسیوں کی آ کے ہٹائی تُو نے

تپشِ اندورِ اُسی لَو سے ہے احساسِ علیلؔ
آندھیوں کے بھی مقابل جو بڑھائی تُو نے

غافل کرنالی

بحضورِ اقبالؒ

ترے کلام نے بخشی ہے اے حکیمِ جنوں — فسردہ قوم کو احساس کی توانائی
نہاں ہے سوزِ کلیمی تری نواؤں میں — ترے شعور نے توڑا طلسمِ دارائی

بنامِ صبحِ تغیّر ترا پیامِ جمیل — رہے گا لوحِ زمانہ پہ تا ابد مرقوم
فلک شکار رہی تیرے فکر کی پرواز — تری نگاہ نے بدلا حیات کا مفہوم

ترے ضمیر کی آواز سے کھنک اُٹھے — مشیّتوں کے تجلّی بدوش کاشانے
ترے صحیفۂ عرفان کے اشارے پر — مچل رہے ہیں زمان و مکاں کے افسانے

دیا ہے تُو نے زمانے کو درسِ آگاہی — عطا ہوئی ہے تجھے جرأت کلیمانہ
جلا رہا ہے ہزاروں صداقتوں کے چراغ — ترے تبسّمِ فکر و نظر کا افسانہ

ترے کلام کی سحر آفرینیوں کے طفیل — فرازِ پاک سے اُبھرا ہے آگہی کا نظام
ترے شعورِ جنوں کیش کی قیادت میں — چلے جو ہم تو ملی منزلِ سحر آشام

مرے وطن کے مفکّر تری نواؤں سے — دیارِ پاک میں جوشِ عمل کا چرچا ہے
خلوص اور محبت کی چاندراتوں میں — رُخِ حیات کا ہر نقش نکھرا نکھرا ہے

خُدا کے نُور سے چاروں طرف اُجالا ہے
ترے وطن میں اخوّت کا بول بالا ہے

غافل کرنالی

بیادِ اقبالؒ

کر کے تزئینِ مہ و سال بیادِ اقبالؒ
جاگ اے ملّتِ اقبال بیادِ اقبالؒ

کاش ہر لب پہ مچل جائے تجلّی بن کر
نغمہ رومیؒ و خوشحال بیادِ اقبالؒ

آؤ یہ عہد کریں محو نہ ہونے دیں گے
آدمیّت کے خد و خال بیادِ اقبالؒ

وقت کہتا ہے یہ اقبال کے فرزندوں سے
تھام لو پرچمِ اقبال بیادِ اقبالؒ

خطۂ پاک کی تخلیق ہوئی جن کے لئے
اب وہ قدریں نہ ہوں پامال بیادِ اقبالؒ

پرچمِ سبز کے جلوے ہوں محیطِ عالم
نکھرا نکھرا ہو رُخِ حال بیادِ اقبالؒ

چھوڑ دو جہل کی ہر ایک روش کو یارو
توڑ دو ظلم کا ہر جال بیادِ اقبالؒ

ساری دنیا میں ہو اسلام کی مشعل روشن
آئے وہ دورِ سحر فال بیادِ اقبالؒ

ہر قدم حیدرؓ و بوبکرؓ کی تقلید کریں
سب مری قوم کے عمّال بیادِ اقبالؒ

جو کبوتر کو بھی شاہین بنا دے غافلؔ
کام وہ کیجئے امسال بیادِ اقبالؒ

فارغ بخاری

شاعرِ مشرق

ایک گمبھیر سیہ رات مسلط تھی یہاں — حریت کیش شعاعوں کو زمانے ترسے
سالہا سال کی تاریک گزرگاہوں پر
تیرے تخییل کی کرنوں کے اجالے برسے

جو سحر تُو نے طلب کی وہ سحر آ بھی گئی — رنگ و بو کے بھی گل و لالہ سے پیماں ہوئے
نکہت و نور کے افسانوں کو دہرایا گیا
صحنِ گلشن میں بہاروں کے چراغاں بھی ہوئے

لیکن اے شاعرِ مشرق ترا خدشہ تھا درست — اونچے ایوان نہ کٹیاؤں سے مانوس ہوئے
طلعت و رنگ کے یہ خوابِ حسیں بھی آخر
بارگاہوں کے طلسمات ہی محبوس ہوئے

تُو نے جو روشنی چاہی تھی ہمیں مِل بھی گئی — کم نگاہی سے مگر ہم اسے اپنا نہ سکے
تجھ کو جس طُور کی خواہش تھی میسّر بھی ہوا
تابِ نظارہ مگر اہلِ نظر لا نہ سکے

پھیلتے ہی رہے سایوں کے پُراسرار نقوش — رفتہ رفتہ یونہی بھرتے رہے ظلمت کے شگاف
پھر اُبھرتے ہوئے ماحول کا دم گھٹنے لگا
چھا گئے اجلی فضاؤں پہ اندھیروں کے غلاف

کہیں بے تاب نگاہوں کو پنہ مِل نہ سکی — بجلیاں ٹوٹیں صداقت کی کمیں گاہوں پر
گونجتی ہی رہی آوازِ جرس، بانگِ درا
قافلے چلتے رہے بھٹکی ہوئی راہوں پر

عبدالعزیز فطرت

اقبالؔ

اقبال پیامی بھی ہے پیغام بھی اقبال
مُسلم بھی ہے اور جذبۂ اسلام بھی اقبال
وہ فرد بھی مِلّت کی تمنّائے جواں بھی
خود ساقی و خود بادہ و خود جام بھی اقبال

اِک نالہ ہے اِک شعلہ ہے اِک تیر ہے اقبال
دلداری و دلسوزی و تنویر ہے اقبال
اِک فکر ہے بالعزم تو اِک عزم ہے بالجزم
ہے خواب کبھی اور کبھی تعبیر ہے اقبال

چشمِ نگراں ہے دلِ بیدار ہے اقبال
تصویرِ وفا پرتوِ افکار ہے اقبال
شاہینی و خود نظمی و خودداری و جبروت
ہر عظمتِ انسان کا اظہار ہے اقبال

فیض احمد فیضؔ

اقبالؒ

آیا ہمارے دیس میں اک خوش نوا فقیر
آیا اور اپنی دُھن میں غزل خواں گزر گیا
سنسان راہیں خلق سے آباد ہو گئیں
ویران میکدوں کا نصیبہ سنور گیا
تھیں چند ہی نگاہیں جو اس تک پہنچ سکیں
پر اُس کا گیت سب کے دِلوں میں اُتر گیا

اب دُور جا چکا ہے وہ شاہِ گدا نما
اور پھر سے اپنے دیس کی راہیں اداس ہیں
چند اِک کو یاد ہے کوئی اُس کی ادائے خاص
دو اِک نگاہیں چند عزیزوں کے پاس ہیں
پر اُس کا گیت سب کے دِلوں میں مقیم ہے
اور اُس کی لَے سے سینکڑوں لذّت شناس ہیں

اِس گیت کے تمام محاسن ہیں لازوال
اس کا وفور۔ اس کا خروش۔ اس کا سوز و ساز
یہ گیت مثلِ شعلۂ جوّالہ تند و تیز
اس کی لپک سے بادِ فنا کا جگر گداز
جیسے چراغ وحشتِ صرصر سے بے خطر
یا شمعِ بزمِ صبح کی آمد سے بے نیاز

قاسم نوری

مشرق ہے منتظر

تاریکیاں تھیں معبدِ فکر و خیال میں
ابنائے ایشیا کو مجالِ خودی نہ تھی
دریوزۂ فرنگ کا تھا نام زندگی
کردار کیسا، جرأتِ گفتار بھی نہ تھی
اس درجہ تھا مزاج معطّل حیات کا
شوخی نہ تھی، ہنسی نہ تھی، وارفتگی نہ تھی

ناگاہ ایک خوش نفس و خوش نظر جواں
بزمِ ادب میں فکرِ جواں لے کے آ گیا
ہر موڑ سے گزرتا ہوا بے نیاز سا
تاروں کا نطق، گُل کی زباں لے کے آ گیا
کرتا ہوا مشاہدۂ بزمِ روزگار
اندیشہ ہائے کون و مکاں لے کے آ گیا
گاتا ہوا خزاں میں بہاروں کے زمزمے
سازِ غزل پہ نغمۂ جاں لے کے آ گیا
ماحول میں فسونِ تجلّی بکھیرتا
ظلمت کدہ میں کاہکشاں لے کے آ گیا

چھیڑی کچھ اس خلوص سے اس نے نوائے راز
ہر دل میں کیف و درد کا ساغر چھلک گیا
اس کا کلام تھا۔ کہ ہیولا بہار کا
شعلہ سا اِک فضائے چمن میں لپک گیا

تسکین اور حیا کی ضرورت ہے آج بھی
لیلائے زندگی کے خدوخال کے لئے
شاہیں مزاج، نوچے گئے جن کے بال و پر
پھر مضطرب ہیں آج پر و بال کے لئے
اسلامیانِ دہر کو بخشے جو زندگی
مشرق ہے منتظر اسی اقبال کے لئے

قتیل شفائی

اقبال کے تاجر

رقص گاہوں سے مزاروں تک ہے تُو ہی جلوہ گر
کلغیوں کی شان تجھ سے گدڑیوں کا لال تُو
آہ کتنے مصر کے بازار ہیں تیرے لیے
دیکھ اپنے تاجروں کا نامۂ اعمال تُو

تُو نے دہقانوں کے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر
خوشۂ گندم کا ان کو دانہ دانہ دے دیا
آج لیکن تیری آنکھیں بند ہو جانے کے بعد
بھوک نے کھیتوں کو حسنِ مجرمانہ دے دیا

تُو نے مزدوروں کی محنت کے تحفظ کیلئے
شہریاروں کی رعونت کو ملایا خاک میں
آج لیکن تیری آنکھیں بند ہو جانے کے بعد
کچھ نہیں ہے مفلسوں کے دامنِ صد چاک میں

تُو نے مذہب کے تقدس کو بڑھانے کے لیے
آدمیت کو بچایا مفسدانہ بیر سے
آج لیکن تیری آنکھیں بند ہو جانے کے بعد
بھائی بھائی بھی نظر آتے ہیں کیسے غیر سے

تُو نے کیا کیا زیست کے رازِ دروں افشا کیے
تیرا ہر پیغام تاویلوں میں لیکن کھو گیا
تجھ کو پیرانِ سیاست بیچنے پر تُل گئے
جو بھی چاہا شہریاروں نے وہی کچھ ہو گیا

رقص گاہوں سے مزاروں تک ترے نغمے لٹے
کوچے کوچے میں ترے پیغام کو بھیجا گیا
اُف یہ تیرے تاجروں کی شاطرانہ ذہنیت
ہر نئے سودے میں تیرے نام کو بیچا گیا

قتیل شفائی

نوائے اقبالؒ

حلقۂ اصنام سے لے کر مہِ دو نیم تک
عظمتِ انساں کی ہے پروازِ ہفت اقلیم تک

اپنی زد میں ہے طلسمِ انجم و شمس و قمر
اپنے قدموں کی رسائی ہے حدِ تقویم تک

بے نیازِ ساغر و صہبا ہے جن کی تشنگی
آپ ان کو ڈھونڈتے ہیں کوثر و تسنیم تک

ماورائے شوق پہنچے شیر مردانِ جنوں،
جا سکا طفلِ خرد گہوارۂ تعلیم تک،

جن کی پابندی بنا دے ابنِ آدم کو غلام
ان اصولوں میں روا رکھتے ہیں ہم ترمیم تک

لے کے شانہ آئے تھے ہم اے عروسِ کائنات
خم تری زلفوں کا جا پہنچا سرِ تسلیم تک

ان کے سجدے بے اثر، ان کی نمازیں بے سرور
کر نہیں سکتے ہیں جو انسان کی تعظیم تک

کون پہنچا ہے بجز عرفانِ سودائے خودی
آتشِ نمرود سے گلزارِ ابراہیم تک

ڈاکٹر قمر الحق قمرؔ کیرالوی

اقبالؒ

شاعرِ عہد نوی تُو، ترا پیغام نیا
تیرا میخانہ نیا ، بادہ نیا ، جام نیا
تیرے نغموں میں ترنّم نیا، اعجاز نیا
عشق کا سوز نیا ، حُسن کا انداز نیا
تھی از بیم ہے لبریز رجا تیرا جہاں
تیری دنیا میں نہیں یاس کا حرماں کا نشاں
تیرے آئین میں حق گوئی و حق بینی ہے
اُلفتِ دینِ متیں دشمنِ لادینی ہے
تیرا پیغام ہے خودداری و سعیِ پیہم
عمل و اُلفت و ایثار و یقینِ محکم
شرحِ اسرارِ خودی میں وہ دکھائے ہیں کمال
غیرت مہر ہیں اشعار کے فانوسِ خیال
تیری تلقین سے مزدور بھی غمگیں نہ رہا
دِلِ کنجشک میں کچھ خطرہ شاہیں نہ رہا
فلسفہ میں بھی ترا نہ کوئی ہمسر پایا
سارے رنگوں میں ترا رنگ ہی خوشتر پایا
غیر محدود تری قوتِ پروازِ خیال
حیرت انگیز تغزّل میں دکھایا ہے کمال
خوب رنگِ رخِ اُردو کو نکھارا تو نے
اس کے گیسوئے پریشاں کو سنوارا تو نے
اہلِ ایراں کے دِلوں میں تری عظمت معمور
ان کی دنیائے ادب تیرے قلم سے پُر نور
دردِ ملّت سے فقط چشم تری گریاں ہے
نہ قتیلِ رُخِ زیبا نہ غمِ دوراں ہے
ملّتِ مُردہ کو پھر زیست کا پیغام دیا
تشنگی کو مئے کوثر کا بھرا جام دیا

اک قمرؔ ہی نہیں، مدّاح زمانہ تیرا
قلبِ عالم پہ ہے مرقوم فسانہ تیرا

قیوم نظر

اقبالؒ سے!

تِرے تخیّل کی آبیاری میں اور اک سال کٹ گیا ہے
فسانہ کہتے تھے لوگ جس کو وہ زندگی سے لپٹ گیا ہے
نئے نئے وہم بن کے طوفان ہماری دُنیا پہ چھا رہے تھے
حقیقتوں کی تجلّیوں سے مہیب اندھیرا سمٹ گیا ہے
تِرے ہی درسِ عمل نے بخشی جنونِ پیہم کو کامگاری
تِرے ہی سوزِ یقیں سے مِلّت کا آج پانسہ پلٹ گیا ہے
تِری بدولت ہی آج ہم آپ اپنی تقدیر بن گئے ہیں
تِرا پیام اپنی کم سوادی کا کیسا پردہ اُلٹ گیا ہے
دلِ مسلماں کو تیرے نغموں نے بھر دیا ایسی بجلیوں سے
کہ عزمِ تازہ سے یورشِ ہر بلا کے آگے وہ ڈٹ گیا ہے

کبیر انور جعفری

اقبالؒ کی آواز

غمناک یتیموں کی دُعا ہے تری آواز
ناسازیٔ دوراں کی دوا ہے تری آواز

پُر پیچ سے جنگل کی شبِ تار میں اکثر
کہتا ہوں یہ سچ بانگِ درا ہے تری آواز

تکلیفِ سفر کوئی نہیں ہوتی سفر میں
وحشت میں فقط راہنما ہے تری آواز

غزلوں کا شہنشاہ تو نظموں کا بھی سرتاج
بلبل کے ترنّم کی صدا ہے تری آواز

نمارمں کو بنا دیتی ہے فردوسِ بہاراں
لالہ کے جھکولوں کی فضا ہے تری آواز

صیّاد ستمگر کے طمانچوں کی ہے دشمن
ہمدردِ غریباں کی نوا ہے تری آواز

دنیا رہی مائل بہ ستم دارِ جفا میں
مائل بہ کرم کار کشا ہے تری آواز

جھک جاتے ہیں افلاک بھی شرمائے ہوئے سے
دراصل یہ اک آہِ رسا ہے تری آواز

ناقوس بھی مندر بھی ہیں خاموش سراپا
یہ دل کا بھجن ہے ترانا ہے تری آواز

لیتے ہیں سبق اب بھی تری بات سے عاقل
آدابِ وفا کی یہ بِنا ہے تری آواز

کھلتے ہیں ترے شعر سے اسرار خودی کے
گویا یہ حقیقت کی ضیا ہے تری آواز

کافر کے لئے کاٹ ہے شمشیرِ خدا کی
مومن کے لئے صدق نما ہے تری آواز

انورؔ کو اسی شوق میں ڈوبا ہوا پایا
اسلام کی تاریخِ وفا ہے تری آواز

کلیمؔ عثمانی

یومِ اقبال منانے والوں سے

یوم اقبال کی تقریب منانے والو !
پھول اقبال کے مرقد پہ چڑھانے والو
تم کو بدلے ہوئے حالات کا احساس بھی ہے
یعنی اقبال کے پیغام کا کچھ پاس بھی ہے
کھول کر آنکھ ذرا اپنے چلن کو دیکھو
عظمتِ آدم و حوّا کے کفن کو دیکھو
سُرخیٔ قصّۂ امروز ہے انسان کا خوں
ذہنِ خوددار کو ملتا نہیں دنیا میں سکوں
دامنِ امن و سکوں آج بھی صد پارہ ہے
دردِ محکومیٔ انساں ابھی بے چارہ ہے
عرضِ غم پر کہیں تاروں سے زباں سلتی ہے
تازیانوں سے کہیں دادِ وفا ملتی ہے

ہے دماغوں پہ مسلّط ابھی افسونِ فرنگ
چہرۂ صبحِ مسرّت ہے ابھی تک بے رنگ
دل اگر سرد ہیں بازار نہ یہ گرم کرو
یومِ اقبال مناتے ہوئے کچھ شرم کرو
تم سے اقبال کو شکوہ ہے کہ کردار نہیں
تم میں احساس نہیں جذبۂ خوددار نہیں
نام اقبال کا لیتے ہو عمل کچھ بھی نہیں
یعنی اقبال کی خدمات کا پھل کچھ بھی نہیں
کچھ بھی احساس ہے باقی تو مسلمان بنو
اپنے اسلاف کی عظمت کے نگہبان بنو
کفر آلودہ جبینوں کو درخشاں کرلو
ہو سکے تم سے تو کچھ خدمتِ انساں کرلو

مرزا فیض کوثر

جہانِ اقبال

جلوہ افروز ہے عالم میں ضیائے اقبال
ہر سماعت کا ہے سرمایہ صدائے اقبال
کس متانت سے درخشاں ہیں مہ و مہر و نجوم
کس لطافت سے ہے معمور ہوائے اقبال

رہبرِ راہِ زمانہ ہے نشانِ اقبال
منزلِ فکر و تجسس ہے جہانِ اقبال
بربطِ وقت کے لرزیدہ حسیں تاروں پر
جو مغنی ہے وہ ہے زمزمہ خوانِ اقبال

قوم کے درد میں بیتاب تھی آہِ اقبال
قوم کے سوز میں ڈوبی تھی نگاہِ اقبال
اپنے وجدان سے ہر غم کی مسیحائی کی
تھی جداگانہ ہر اک راہ سے راہِ اقبال

یاد آتا ہے وہ ہنگامِ ظہورِ اقبال
ہم بھلا سکتے نہیں حسنِ شعورِ اقبال
ہے نگاہوں میں وہی صاحبِ صد ضربِ کلیم
ہے عیاں سینۂ احساس میں طورِ اقبال

زندگی پھر اٹھی انساں کے لئے ہے بیتاب
جس نے کی کشتِ دلِ من اشکِ وفا سے سیراب

گفتارِ خیالی

علامہ اقبالؒ کے حضور

عظیم شاعر! عظیم شاعر
ہے فکر تیری نوائے دوراں
تُو بن کے سُورج ہے جگمگایا
تُو جگمگایا ہے یُوں
کہ کرنوں سے تیری لاکھوں نے زندگی کا
سُراغ پایا
عظیم شاعر! عظیم شاعر
خُودی کا تُو نے
جو درس دے کر
ہزاروں لوگوں کے زنگ خوردہ
نظامِ ذہنی کیا ہے صیقل

سیاہ راتوں کی دشمنِ جاں
دُکھی دِلوں کا قرار بن کر
چمن میں فصلِ بہار بن کر
کلی کلی کا نکھار بن کر
صداقتوں کا شعار بن کر
عظیم شاعر! عظیم شاعر
تُو آشنائے رموزِ فطرت
وفا کو تُو نے ہی چمن بنایا
انا کو حرزِ سخن بنایا
جنُوں کو روشن کرن بنایا
چراغِ احساسِ ذات تیرا
شبِ الم کا ستارہ ہو گا
یہی مرا ہدیۂ نظر ہے
مِری عقیدت عظیم تر ہے!

ماہرالقادری

اقبالؒ

کاروانِ خواب میں تھا، "بانگِ درا" سے پہلے
ساز میں سوز نہ تھا تیری نوا سے پہلے

اللہ اللہ! ترا قافلۂ نطق و کلام
"بالِ جبریل" کے سایہ میں ہوا گرمِ خرام

صرف مشرق نہیں، مغرب کو بھی پیغام دیئے
نگہ و فکر پہ "اسرارِ خودی" فاش کیے

تو کبھی شعلۂ رقصاں، کبھی رفتارِ نسیم
موجِ کوثر ترے اشعار، کہیں "ضربِ کلیم"

اِک نئی طرز، نئے باب کا آغاز کیا
"شکوہ" اللہ تعالیٰ سے بصد ناز کیا

حُسن و اُلفت کے فسانوں میں ہوس شامل تھی
تو نے تقدیس عطا کی، انہیں عصمت بخشی

چہرۂ فکر و معانی کو نکھارا تُو نے
زُلفِ دوشیزۂ اُردو کو سنوارا تُو نے

تیرے شعروں میں کہیں معرکۂ بدر و حنین
کہیں ایمانِ براہیمؑ، کہیں عزمِ حسینؓ

اس لئے ہے تری ایک ایک مجھے بات قبول
تیرا سرمایۂ دانش تھا فقط عشقِ رسولؐ

تُو کہ لندن کی بھی راتوں میں سحر خیز رہا
غیر ماحول میں خوددار و کم آمیز رہا

ہو سکے ضبط نہ اسپین میں تجھ سے آنسو
قوم کے غم میں تری آنکھ نے رویا ہے لہو

اس قدر خوفِ خدا سوزِ دروں جذبۂ حق
بھیگ جاتے تھے ترے اشک سے قرآں کے ورق

محفلِ رومیؒ و عطارؒ تھی مدت سے خموش
تیرے نغموں نے بنایا اسے ہنگامۂ جوش

علم و حکمت کے مسائل کو دیا شعر کا رنگ
کس نزاکت سے ہم آہنگ کیے شیشہ و سنگ

فکرِ افسردہ کو پرواز عطا کی تُو نے
لبِ خاموش کو آواز عطا کی تُو نے

تلوک چند محرومؔ

اقبالؔ

کم تر ہے، حکیمِ ہند اگر تجھ کو کہوں،
یا لعلِ کلیمِ ہند اگر تجھ کو کہوں،
اللہ سے ہم سخن ہُوا تو اکثر
زیبا ہے کلیمِ ہند اگر تجھ کو کہوں،

(۲)

اُونچا سب سے کہیں ترا مسلک تھا
اَوجِ اہلِ یقیں ترا مسلک تھا
آتی ہے صدا بانگِ درا سے پیہم
حُبِّ وطنِ اوّلیں ترا مسلک تھا

(۳)

روشن کیا خُوب نامِ مشرق تُو نے
کردی پُرنور شامِ مشرق تُو نے
اے شاعرِ بے مثال! صدیوں کے بعد
مغرب کو دیا پیامِ مشرق تُو نے

محمد سبطین شاہجہانی

مردِ بے مثال

کُمہلا گئے تھے پھول خزاؤں کی دُھوپ میں
صبحِ وطن تھی شامِ غریباں کے رُوپ میں

گل خانۂ خیال میں خاروں کا تھا وقار
مُرجھا چکے تھے نخلِ تمنّا کے برگ و بار

آزادیٔ نگارِ وطن بے جمال تھی
گُلہائے آرزو کی ہنسی پائمال تھی

اُٹھّا سیالکوٹ سے اِک مردِ بے مثال
ہم کو دیئے ہیں اُس نے وہ افکار لازوال

جن سے خزاں بہار کے سانچے میں ڈھل گئی
تلخابۂ حیات کی ہیبت بدل گئی

دل کی فضا میں چاند ستارے چمک اُٹھے
تابانیٔ جمال سے ذرّے دمک اُٹھے

آسودۂ مراد ہُوا مقصدِ حیات
سازِ طرب سے جھوم اُٹھی ساری کائنات

تعبیر ہے یہ ارضِ وطن اُس کے خواب کی
مہکا ہُوا ہے اُس سے گلستانِ آگہی

محمود قریشی

علامہ اقبالؒ

لرزتا ہے فلک اور گونج باقی ہے فضاؤں میں
تری خوشبو ابھی تک ہے چمن کی شاہراہوں میں

تیری فرقت میں یہ سارا جہاں ہے محوِ سوگ اب تک
جسے سب روگ کہتے ہیں اسے بھی روگ ہے اب تک

چمن کی پتی پتی پر خزاں کا رنگ ہے چھایا
ترے ہی غم میں داغوں کا خزانہ لالہ نے پایا

ترے دل میں تڑپ تھی درد تھا سوزِ نہانی تھا
ترے دل میں غمِ ملت مقیم جاودانی تھا

اسیرِ پنجۂ چنگیز تھا جب سارا یہ عالم
یہاں ظلم و ستم پلتا تھا اور ظلم و ستم حاکم

یہاں بیداد گر بیداد خو بیداد پرور تھے
یہاں بیداد کے جھنڈے زمیں پر آسماں پر تھے

یہاں ظالم بھی بستے تھے یہاں جابر بھی رہتے تھے
یہاں سفاک بھی خونخوار بھی قاہر بھی رہتے تھے

تو آیا تھا کہ قیدِ غم کے پھندے توڑ دے آکر
خدا کے بندوں کے رشتے خدا سے جوڑ دے آکر

ترا کہنا تھا پھر پیدا کرو ایمانِ حیدرؓ کو
ترا کہنا تھا پھر ڈھا دو ذرا تعمیرِ خیبر کو

ترا کہنا تھا اے غفلت شعارو کام کچھ کر لو
ذرا آگے بڑھو اور بڑھ کے پیدا نام کچھ کر لو

تیرا کہنا تھا یہ، ناکامیوں سے کام لو بندو
یہ قسمت کا شکستہ بادباں ہے تھام لو بندو

مصباح الحق صدیقی

بحضورِ اقبالؒ

کہ تجھ سے قوم کی بگڑی بنی ہے
یہی ہے عظمتِ انساں یہی ہے

مری آنکھوں میں تیرا ہی تصوّر
مری سوچوں میں "اسرارِ خودی" ہے

ہیں تیرے ہمنوا رومیؒ، غزالیؒ
تجھے یہ صحبتِ یاراں ملی ہے

تری تدبیر کا انعام ہے یہ
کہ ملّت اِک نگینے میں جڑی ہے

ہے نِٹشے کو بھی تجھ سے ہم خیالی
تصوّرِ مردِ مومن کا یہی ہے

مسلماں کے لہو سے عشق تجھ کو
یہی سوغات ہم کو بھی ملی ہے

ہوئی ہے تیز پروازِ تخیّل
کہیں یہ آنکھ تجھ سے جا لڑی ہے

چراغِ راہ بن کر پھر سے آ جا
کہ ملّت آزمائش میں پڑی ہے

کہ ہے مصباحؔ کو تجھ سے عقیدت
خزینہ اُس کا تیری شاعری ہے

منظور حسین منظور

قطعات

(۱)

تری نوا سے ملا سوزِ زندگی کا سُراغ
شرر ہے جس کا شبستانِ زندگی کا چراغ
بھری ہے تیرے گلستاں میں وہ مئے گُل رنگ
کہ جس کی بُو کو ترستے ہیں اُمتوں کے ایاغ

(۲)

ترا پیام ہے مشرق کی رُوحِ آزادی
ترا کلام ہے مغرب کے فکر کا ہادی
ترے خیال نے آئینۂ حقیقت میں
ضمیرِ مشرق و مغرب جہاں کو دکھلادی

(۳)

مقامِ اوجِ بشر ہے ترا مقامِ خودی
عیاں ہے جس سے فضیلت لقد خلقنا[1] کی
شعاعیں اسکی نہیں ارضِ پاک تک محدود
ترے چراغ کے پروانے شرقی و غربی

[1] تلمیح بر آیۂ کریمہ: "لقد خلقنا الانسان فی احسن التقویم"۔

منظور حسین منظور

نذرِ عقیدت

تیرا خیال اوجِ ثریا سے ہمکنار اور فکر تیرا حُسنِ حقیقت کا رازدار
اے ایشیا کے شاعرِ اعظم ترے نثار لاریب تو ہے ملکِ معانی کا تاجدار

سوزِ سخن، اُن کی رگِ جاں میں بھر دیا
ذرّوں کو تو نے غیرتِ خورشید کر دیا

دکھلا کے راہ دارِ مکافاتِ زندگی کھولے ہیں تو نے رازِ مقاماتِ زندگی
درسِ خودی میں ترے کراماتِ زندگی بدلی ہے جس نے صورتِ حالاتِ زندگی

تیری نوا کے سوز میں وہ شاہکار ہے
جو انقلابِ فکر کا پروردگار ہے

حُسنِ بیاں ترا وہ حقیقت طراز ہے جس پر جہانِ عشق و محبّت کو ناز ہے
دل میں ترے وہ جذبۂ سوز و گداز ہے ہر کاوشِ نمود سے جو بے نیاز ہے

حاصل جسے بھی سوزِ جگر کا شرار ہے
پروانہ وار تیرے سخن پر نثار ہے

مرزا محمد منوّر

جُرمِ اقبالؒ

میرے ہیں ایک دوست بظاہر بڑے خلیق
دعوائے دوستی ہے انہیں خاص و عام سے!!

روتے ہیں بات بات پہ رونا غریب کا
شکوہ سحر سے اور شکایت ہے شام سے

مزدور، پیٹ، بھوک ہے عنوانِ گفتگو!
دردِ جہاں ٹپکتا ہے ان کے کلام سے!

لیکن خود اپنا حوصلہ یہ ہے کہ الاماں!
رکھتے چھدام کو ہیں عزیز اپنے چام سے

ذہنی اُفق ہے سُرخ کریں بھی تو کیا کریں
نالاں بہت ہیں مِلّی رِوایاتِ "خام" سے

آزادیٔ روش کے بڑے مُدّعی ہیں وہ!
آزاد کاش ہو سکیں روسی زمام سے!

اقبالؔ سے بھی ان کو شکایت شدید ہے
اقبالؔ سے، فقیرِ ثریا مقام سے

موضوعِ بحث کچھ ہو کوئی وقت ہو مگر
غافل نہیں وہ سعیٔ حصولِ مرام سے

باتوں کے داؤ پیچ بہت جانتے ہیں وہ
لیتے ہیں روز کام کسی تازہ دام سے

اِک روز آئے لب پہ تھی اقبالؔ کی ثنا
حسبِ طریق بیٹھ گئے اہتمام سے!

بولے کہ آج بات ہو اقبالؔ کی فقط!
آغازِ گفتگو کیا لاسے کے جام سے

پھر ہوئے فن کی رُو سے ہیں اقبالؔ باکمال
کیا ربط ورنہ ماہ کو ہے سیمِ خام سے

وہ شام وہ کنارۂ راوی وہ موجِ تیز!
تصویر کیا بنائی ہے رنگِ دوام سے!

صحرا و خضر و محنت و سرمایہ کا بیاں
رنگیں ہے ذکر آہوئے حیرت خرام سے

مسجد کے ساتھ دخترِ دہقاں کا ذکر ہے
کیا کیا وجود ڈھلے ہیں کس کس توام سے

اس فن کے ساتھ فکر کا شیریں ہے امتزاج
یکجان رنگِ بادہ ہوا رنگِ جام سے!

اقبال کا خیال "ترقی پسند" ہے!
ان کو ہے بے پناہ محبت عوام سے

شعروں سے اپنے کام لیا ہے انہوں نے جو
وہ کام کوئی لے نہ سکے گا حسام سے

میں منتظر تھا بات پلٹتی ہے کس طرف
آخر وہ نتیجہ نکل آیا نیام سے!!

وہ مولوی کے ڈر سے مسلماں بنے رہے
بیزار تھے وگرنہ سجود و قیام سے

اسلام سے ہو ایسے قلندر کو واسطہ؟
جس کو ہو عشق دہر کے سارے عوام سے

ہاں ایک بات کا نہیں کچھ میرے پاس رد
اور وہ ہے ان کا عشق محمدؐ کے نام سے

آتے ہی اس خیال کے رکتا ہے جی مرا!
رہتا نہیں لگاؤ پھر ان کے پیام سے!

عشقِ رسولؐ، پیکرِ اسلام، لاجرم!
ایمان پھوٹتا ہے اسی کے مسام سے

اقبالؔ کے کلام میں یہ بُو ہے جب تلک!
مجھ کو غرض ہے ان سے نہ ان کے کلام سے

ابوظفر نازش رضوی

شاعرِ مشرق

شہیدِ جلوۂ عرفاں تھا شاعرِ مشرق
ہمیشہ دہر میں زندہ رہے گا نام اس کا

ازل سے وادیٔ ایمن میں وہ فروکش ہے
جوارِ رحمتِ عالم میں ہے قیام اُس کا

نگاہِ حاسدِ کم ظرف میں تھا گرچہ تہی
مگر شرابِ حقیقت سے پُر ہے جام اُس کا

ابو الکلام کا یہ قول واقعی ہے حسن
کتابِ عشق کی تفسیر ہے کلام اُس کا

قسم ہے صاحبِ معراج کی مجھے نازشؔ
بلند اوجِ ثریّا سے ہے مقام اُس کا

فضائے قُدس ہے معمور اُس کے نغموں سے
امینِ وحی کے لب پر ہے یہ پیام اُس کا

دلم ز نالہ فرو ماندہ آہِ من باقیست
بہارِ رفتہ و شادابیٔ چمن باقیست

ناصر زیدی

اقبالؒ

وہ ایک مردِ قلندر وہ فلسفی شاعر
رموزِ شعر و رموزِ حیات کا ماہر
کہ شہرتِ ابدی جس کے نام سے ظاہر
ادیب و نکتہ ور و نکتہ سنج تھا اقبالؒ
حقیقتاً زرِ معنی کا گنج تھا اقبالؒ

وہ جس نے قوم کو کردار کا پیام دیا
شعورِ ذات کو جس نے خودی کا نام دیا
حیاتِ نو کا سبق جس نے صبح و شام دیا
ادیب و نکتہ ور و نکتہ سنج تھا اقبالؒ
حقیقتاً زرِ معنی کا گنج تھا اقبالؒ

اُسی کے درسِ خودی سے سیاہ رات ڈھلی
گھٹا جو چھائی تھی ادبار کی وہ سر سے ٹلی
یہ قوم جانبِ منزل اُسی کے دم سے چلی
ادیب و نکتہ ور و نکتہ سنج تھا اقبالؒ
حقیقتاً زرِ معنی کا گنج تھا اقبالؒ

احمد ندیم قاسمی

بحضورِ اقبالؒ

تقاضۂ ارتقاء تو یہ ہے سدا بدلتا رہے زمانہ
تُلی ہوئی بجلیوں کی زد میں مگر رہا تیرا آشیانہ

غریب سجدہ گزار انساں سے چھینتا ہی جبیں کی لو تک
جمے ہوئے خون کی تہوں میں دبا ہوا سنگِ آستانہ

اُسی سنہری سوئی کے ناکے سے چھن رہے ہیں پہاڑ ملبس کر
وہی پرانی شکارگاہیں وہی کمانیں وہی نشانہ

بلندیوں کو خراج دینے کی رسم قانون بن رہی ہے
فلک پہ پہنچایا جا رہا ہے زمیں سے کھودا ہوا خزانہ

ابھی بہت دُور ہے مئے ساغرِ سفالیں کی شادکامی
ابھی تو بلور کی صراحی میں گر رہی ہے مے شبانہ

اگر کبھی مر گیا تو از روئے حکمِ گلچیں ہرا رہے گا
وہ زخم جو خون کے بھنور میں نہ کر سکا پھول کا بہانہ

ملا ہے تیرے کلام کو ضربِ قاہرانہ کا نام، ورنہ
تری ادائیں تھیں عاشقانہ، ترے ترانے تھے عارفانہ

مری جسارت ہے درگزر کر بدل کے پڑھتا ہوں شعر تیرا
کہ اب نہ ہے شعرِ عرفانی نہ فن کی قدریں ہیں جاودانہ

مری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہہ کے صیّاد کو ہنسایا
کہ ایسے پُرسوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ

احمد ندیم قاسمی

بخدمتِ اقبالؒ

جانتے ہیں، جو سمجھتے ہیں ترے فن کی زباں
تُو نے دی رُوح کے کعبے میں محبت کی اذاں

مجھ کو اکثر ترا ارشاد بھی یاد آتا ہے
عشق کی شانِ حمیّت کا چھڑے ذکر جہاں

آخرِ کار سرِ منزلِ عرفاں پہنچی
تیری چٹکی میں تھی جس ناقۂ دوراں کی عناں

چمک اُٹھتی ہے بلندی پہ تری پیشانی
جب کبھی پھیلنے لگتا ہے نشیبوں میں دُھواں

جیسے شاخوں کا نمو دُھوپ میں گل بنتا ہے
خالقِ حُسنِ بہاراں، ترا قلبِ سوزاں

جس قدر اُمّتِ مُسلم پہ کرم ہیں تیرے
اتنے ہی مِلّتِ آدم پہ ہیں تیرے احساں

عہدِ فردا میں جو تاریخ لکھی جائے گی
تیرے شعروں سے چُنے جائیں گے اس کے عنواں

رومیؔ و سعدیؔ و غالبؔ میں تری گونج سی ہے
جیسے صدیاں تجھے پانے میں رہیں سرگرداں

مجھ کو دعویٰ ہے کہ اس دور کا شاعر ہوں مگر
شعر کہتا ہوں تو یاد آتا ہے تیرا فرماں

برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب و گِل تست
اے زخود رفتہ، تہی شو ز نوائے دگراں

نسیم سیّد

اقبالؒ کے حضور میں

کون سی شے مرے اقبالؒ تری نذر کروں
اپنی پلکوں پہ لرزتے ہوئے اشکوں کے سِوا
ایک فنکار ہوں کیا ہے مرا سرمایۂ زیست
شعر کے رُوپ میں جلتی ہوئی آہوں کے سوا

بیٹھ کر کانٹوں کے بستر پہ بھرے گلشن میں
باغبانوں کے بھلا کیسے قصیدے لکھوں
تابہ کے جذبۂ بے تاب دبا کر دل میں
اپنی مذموم اُمنگوں کے ترانے لکھوں

کس کو فرصت کہ سُنے نغمۂ بیداریٔ دل
لوگ بے بہرۂ احساس ہوئے جاتے ہیں
شعبدہ کاریٔ زر، اُن کے دلوں پر ہے محیط
نغمہ و شعر کے سائے سے بھی کتراتے ہیں

کون سی شے مرے اقبالؒ تری نذر کروں
اپنی پلکوں پہ چمکتے ہوئے اشکوں کے سِوا

واصف علی واصف

اقبالؒ

السلام اے ملتِ اسلامیہ کے جاں نثار
پیرِ رومی نے تمہاری فکر کو بخشا نکھار

وہ تصور جو تجھے رکھتا تھا پیہم بے قرار
اس تصور کا ہوا جاتا ہے دامن تار تار

کس کی غفلت سے ہوئی ویران کشتِ آرزو
کیوں گلستاں کا گلستاں ہو گیا ہے سوگوار

رنگ و بو ہو کر اڑی ہے اس چمن کی آبرو
نوحہ گر ہے جس کی بربادی پہ اب فصلِ بہار

آہ اے اقبال تو واقف نہ تھا اس راز سے
اس وطن کے راہبر تجھ کو کریں گے شرمسار

آرزو کا مدعا کیا تھا؟ شکستِ آرزو!
کارواں کو کیا ہوا حاصل بجز گرد و غبار

لا الٰہ کے دم سے تھا میرے وطن کا اتحاد
لا الٰہ کو چھوڑنے کا ہے نتیجہ انتشار

اے خودی کے رازداں فریاد ہے فریاد ہے
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تیرا انوکھا شاہکار

اے شریکِ زمرۂ لاتحزنون کچھ تو بتا
نوجوانانِ چمن ہیں کس کے غم میں اشکبار

افتخارِ ملک و ملت شاعرِ درویش سن!
یاد کرتے ہیں تجھے لاہور کے لیل و نہار

شمعِ آزادی تمہاری فکر سے روشن ہوئی
عزمِ تازہ مانگتی ہے حریت کی یادگار"

کہہ گیا واصف علی اقبال کے انداز میں
ہوشیار اہلِ جنوں اہلِ خرد سے ہوشیار

اکرام الحق وفا

آہ اقبالؒ

آہ وہ اقبالؒ وہ آگاہِ اسرارِ حیات
آہ! وہ مردِ قلندر نازشِ صد کائنات
جس کے دم سے گرمیٔ ہنگامہ پروانوں میں تھی
جس کے دم سے جرأتِ بے باک دیوانوں میں تھی
جس کا ہر پیغام ملّت کے لئے بانگِ درا
جس کا ہر اک سانس وقفِ خدمتِ اسلام تھا
یثربی نغموں سے جس نے رُوح کو تڑپا دیا
اور رگوں میں جس نے خونِ زندگی گرما دیا
جس کے گیتوں سے ہوا بیدار یہ ہندوستاں
آج محوِ خواب ہے وہ طوطیٔ شیریں بیاں
اُس کے اٹھ جانے سے برہم ہو گیا رنگِ چمن
اُس کے چل بسنے سے بے رونق ہوئی یہ انجمن

یٰسین قدرت

اقبالؒ

دل کے خورشید نے ضیا پائی
تجھ سے مہتابِ چشم تھا روشن
انجمِ رُوح نے جِلا پائی

تُو چمکتا ہوا خودی کا نِشاں
تجھ سے قائم تھا روشنی کا بھرم
تُو نے توڑے ہزار لات و منات
تجھ سے لرزاں تھے تیرگی کے صنم

دل کا دارُو کہ ہو نظر کا علاج
شامِ غم شب زدہ سحر کا علاج
تُو نے کیا کیا نہ نسخہ جات دیئے
مژدہ ہائے رہِ نجات دیئے

تُو نے سب کچھ دیا مگر سب کچھ،
کھو گیا بحرِ بے سپاسی میں
ایک طوفانِ ناشناسی میں،
کھو گیا تُو بھی اور تیری آواز،
ایسی ڈوبی کہ پھر نہیں اُبھری

کچھ بتا تُو بھی تو غمیں ہے کہ شاد؟
ہم ترے بعد یُوں ہوئے آزاد،
فلسفہ تیرا ہو گیا برباد
آج اگر ہاتھ میں عصا بھی ہو
تو کلیمی ہے، کارِ بے بنیاد ——.

یوسف ظفر

اقبالؒ کے حضور میں

تری خودی کے تصوّر میں کائنات وجود
تری طلب کا تخیّل حیات کا غمّاز
ترے نفس کے بگولوں سے گرد بُت خانے
تری حُدی سے رواں کاروانِ راہِ حجاز
پیمبرانہ نظر کی حدود میں آئے
فسانہ ہائے حقائق، ترانہ ہائے مجاز
ترے جنوں سے خرد کو ملا بہانۂ زیست
تری نگاہ سے ٹوٹا طلسمِ خانۂ راز

ترے بلند عزائم ضمیرِ پاکستان
ترے کلام کی لے ہے نفیرِ پاکستان

GHALIB ACADEMY